

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ معارف

جلد نمبر ۱۸۹ ماہ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ماہ مارچ ۲۰۱۲ء عدد ۳

فہرست مضامین

۱۶۲

شذرات

مجلس ادارت

اشتقاق احمد ظلی

۱۶۵

مقالات

مولانا سید محمد رابع ندوی
لکھنؤ

فقہی رخصتوں کا تتبع اور ان پر عمل

ذکی الرحمن غازی

۱۸۲

ہندوستان میں مطبوعہ عربی تصانیف سیرت.....
ڈاکٹر توقیر احمد ندوی

جناب شمس الرحمن فاروقی

۱۹۹

کلام رسولؐ میں علاقائی لہجے و معربات
ڈاکٹر حفصہ نسرین

الہ آباد

۲۰۹

اخبار علمیہ

ک، ص اصلاحی

(مرتبہ)

۲۱۲

معارف کی ڈاک
آئینی حقوق، بچاؤ تحریک

اشتقاق احمد ظلی

محمد ولی رحمانی

۲۱۳

قتل عہد میں دیت اور معافی.....
الطاف احمد اعظمی

محمد عمیر الصدیق ندوی

۲۱۷

علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط
محمد اجمل اصلاحی

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی

۲۱۸

آثار علمیہ و تاجخانیہ
محمد ذکی کے نام سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال
اور دوسرے مشاہیر کے غیر مطبوعہ خطوط
وقار عظیم ندوی

پوسٹ بکس نمبر: ۱۹

شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یو پی)

پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

۲۳۲

ادبیات

حمد باری تعالیٰ

قمر الدین قمر اعظمی

۲۳۳

قصیدہ در نعت

پروفیسر محمد ولی الحق انصاری

۲۳۵

مطبوعات جدیدہ

ع-ص

۲۴۰

رسید مطبوعہ کتب

شذرات

گذشتہ دنوں تقریباً دو مہینہ راقم حروف ملک سے باہر رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں کرم سے حرمین شریفین کی حاضری اور عمرہ کی سعادت بخشی۔ اکیڑمی دعاؤں میں برابر شامل رہی۔ اس کی تاریخ، مقاصد، خدمات، موجودہ حالات اور مستقبل کے منصوبوں کے تذکرہ اور تعارف کا جب اور جہاں موقع ملا اس کو غنیمت جانا اور اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ نجی ملاقاتوں کے علاوہ کئی بار ان مجلسوں میں اس موضوع پر اظہار خیال اور گفتگو کا موقع ملا جو خاص اسی مقصد سے منعقد کی گئی تھیں۔ دارالمصنفین کا سرمایہ افتخار سیرت طیبہ کی خدمت ہے۔ یہ بڑی سعادت تھی کہ مدینہ النبیؐ میں سیرت نبویؐ کے اس خدمت گذار ادارے کے تعارف کا موقع ملا۔ عزیزی عمار جمل کی کوشش سے ڈاکٹر انصرام علی صاحب کی رہائش گاہ پر اس مقصد سے ایک نشست کا اہتمام کیا گیا۔ عمار جمل معروف محقق ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی کے صاحب زادے اور مدینہ یونیورسٹی میں سال آخر کے طالب علم ہیں۔ صلاحیت، سعادت مندی اور دارالمصنفین سے تعلق خاطر وراثت کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر انصرام علی صاحب پاکستان کے رہنے والے ہیں اور ایک مدت سے ارض طیبہ میں مقیم ہیں۔ علم و ادب سے دلچسپی کی وجہ سے ان کی رہائش گاہ پر علمی اور ادبی مجالس کا انعقاد ہوتا رہتا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے ایک عمدہ اور کشادہ ہال مخصوص کر رکھا ہے اور اس میں ان تمام لوازم کا اہتمام کیا گیا ہے جن کی اس نوع کی کسی جگہ کے لیے ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہاں ایک منتخب مجمع کے سامنے جس میں مدینہ یونیورسٹی کے طلبہ اور دارالمصنفین سے دلچسپی رکھنے والے دوسرے اہل علم اور اصحاب ذوق شامل تھے، اس عظیم ادارہ کی تاریخ و خدمات کے تعارف کی سعادت حاصل ہوئی۔ موجودہ حالات اور مسائل، اس کی تعمیر نو کے لیے کی جانے والی کوششوں اور مستقبل کے منصوبوں پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ جن اہل علم نے اس اجلاس کو رونق بخشی ان میں ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی اور ڈاکٹر عبدالرحیم شامل تھے۔ ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی ناسازی طبع کے باوجود ریاض سے طویل مسافت طے کر کے آئے تھے۔ میرے ریاض جانے کی گنجائش نہیں تھی اس لیے ضیافت کے جملہ لوازم وہ ساتھ لے کر آئے تھے۔ اس اجلاس کی صدارت ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب نے کی۔ ڈاکٹر صاحب کے علمی اور تحقیقی اکتسابات گونا گوں ہیں۔ ان کو متعدد مشرقی اور مغربی زبانوں پر عبور حاصل ہے، جنوبی ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں اور اس وقت مجمع الملک فہد لطابعۃ المصنف الشریف، مدینہ منورہ سے وابستہ ہیں۔ نظامت کے فرائض جناب الطاف احمد مالانی نے ادا کیے۔ مالانی صاحب جامعہ دارالسلام، عمر آباد کے فاضل ہیں اور مدینہ یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر ہیں۔ عمار جمل گفتگو کے ساتھ ساتھ پروجیکٹر پر پاور پوائنٹ کے ذریعہ اکیڑمی کی مطبوعات، خصوصیات اور کیمپس کو دکھاتے رہے۔ گفتگو کے بعد ڈاکٹر انصرام صاحب نے شرکاء کی تواضع کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ یہ اس سلسلہ کا پہلا اور اچھا پروگرام تھا۔ اس سفر اور اس سے پہلے کے سفر میں عمار جمل اور الطاف مالانی صاحب

کی وجہ سے جو سہولت اور آسانی میسر آئی اس کے لیے اللہ ان عزیزوں کو بہترین اجر دے۔

مکہ معظمہ میں قیام کے دوران جناب ابرار احمد اصلاحی کی دلچسپی اور کوشش سے دو مواقع پراکٹھی کے تعارف کی صورت پیدا ہوئی۔ ایک بار عزیز یہ کے علاقہ میں منزل صاحب کی رہائش گاہ پر کچھ احباب سے اس موضوع پر گفتگو کا موقع ملا۔ منزل صاحب سینئر انجینئر ہیں اور حیدرآباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہاں جن احباب سے گفتگو اور تبادلہ خیالات کا موقع ملا وہ سب انجینئر اور ڈاکٹر تھے۔ اس کے علاوہ ابرار اصلاحی صاحب نے اپنی رہائش گاہ پر خاص اس مقصد سے کچھ احباب کو رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ ابرار صاحب رابطہ عالم اسلامی سے وابستہ ہیں۔ ایک مدت تک رابطہ کے انگریزی ماہنامہ کے ایڈیٹر رہے۔ اب اسی ادارہ کے ریسرچ ڈویژن سے متعلق ہیں، ان کی تحقیق کا موضوع دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلم اقلیات ہیں۔ اس سفر کے علاوہ ارض مقدس کے اس سے پہلے کے دو اسفار میں ان کی کرم گستری سے بار بار فیض یاب ہونے کے مواقع ملے۔

واپسی کے سفر میں جدہ میں ایک روز قیام کا ارادہ پہلے سے تھا۔ اس کی اصل وجہ پروفیسر طالب الپ سے ملاقات کی خواہش تھی۔ جناب طالب الپ ترک ہیں اور میکینیکل انجینئرنگ کے پروفیسر ہیں۔ اس وقت جامعۃ الملک عبدالعزیز، جدہ سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے ترکی زبان میں علامہ شبلی کی شہرہ آفاق تصنیف ”الفاروق“ کا ترجمہ کیا ہے اور اب تک اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہماری معلومات کی حد تک ترکی زبان میں یہ ”الفاروق“ کا دوسرا ترجمہ ہے۔ اس سے ”الفاروق“ کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بد قسمتی سے ان دنوں وہ ترکی گئے ہوئے تھے۔ اس طرح ان سے ملاقات کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اسی یونیورسٹی سے ہمارے ایک رفیق اور اسلامی معاشیات کے جانے مانے اسکالر پروفیسر عبدالعظیم اصلاحی صاحب وابستہ ہیں۔ ان کی خصوصی دلچسپی اور کوشش سے جدہ کے مختصر قیام کے دوران اکیڈمی کے تعارف کی نسبت سے دو کامیاب پروگرام منعقد ہوئے۔ پہلا پروگرام نماز جمعہ کے بعد سوشل ریفارم سوسائٹی کے ہفتہ وار پروگرام کے ایک حصہ کے طور پر اس سوسائٹی کے کنوینر علیم فلکی صاحب کی عنایت سے شاداب ہوٹل میں منعقد ہوا۔ یہ ایک مستقل ہفتہ وار پروگرام ہے جس میں مختلف موضوعات کے علاوہ قرآنی عربی کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ منتظمین نے گفتگو کا عنوان "Research as a tool of service of Islam" تجویز کیا تھا۔ اس کے تحت دارالمصنفین کی علمی اور تحقیقی خدمات کے تفصیلی ذکر کا موقع ملا۔ گفتگو کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ رہا۔ شرکاء دارالمصنفین کے بارے میں بہت کچھ جاننا اور سمجھنا چاہتے تھے۔ لیکن عصر کا وقت ہو چکا تھا اور عصر بعد ایک اور پروگرام میں حاضری تھی۔ اس لیے تنگی باقی رہ گئی۔

اس سلسلہ کا دوسرا پروگرام مولانا حفیظ الرحمن اکیڈمی کی طرف سے اس کے ڈائریکٹر جناب بہجت ایوب

زنجانی کی رہائش گاہ پر تھا۔ بہجت ایوب صاحب مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی صاحب کے نواسے ہیں۔ علمی اور ادبی ذوق کے ساتھ خدمت خلق میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں بالخصوص جاج کرام کی خدمت کے لیے سرگرم رہتے ہیں۔ مولانا حفظ الرحمن اکیڈمی کے موسس ڈائریکٹر ہیں اور اس پلیٹ فارم سے علمی اور ادبی پروگرام منعقد کرتے رہتے ہیں۔ اسی پلیٹ فارم سے انہوں نے ازراہ کرم مولانا شبلی اور دارالمصنفین کی خدمات پر گفتگو کی دعوت دی۔ اگرچہ وقت تنگ تھا اور کچھ دیر بعد مسقط کے سفر کے لیے ایرپورٹ پہنچنا تھا لیکن اس موقع کو غنیمت جانا۔ وہاں پہنچ کر اور حاضرین سے مل کر اس فیصلہ پر خوشی کا احساس ہوا۔ مختصر لیکن منتخب مجمع تھا، جس میں اہل علم، صحافی اور سماجی کارکن شامل تھے۔ گفتگو کے بعد میزبان کی طرف سے لذت کام و وہن کا بھی انتظام تھا۔

گذشتہ چند برسوں سے ایک معمول سا ہو گیا ہے کہ سال میں ایک مہینہ مسقط میں قیام رہتا ہے۔ اس میں ذاتی مصالح کے ساتھ ساتھ اکیڈمی کے مقاصد کی توسیع بھی پیش نظر رہتی ہے۔ وہاں احباب کا ایک چھوٹا سا حلقہ ہے جنہیں اکیڈمی کے مقاصد سے دلچسپی ہے اور ان کی توسیع کے لیے کوشاں بھی رہتے ہیں۔ محمد میر خاں صاحب کا ذکر اس کالم میں اس سے پہلے آچکا ہے۔ وہ اکیڈمی کے دو پروگرام پہلے ہی سے اسپانسر کر رہے ہیں۔ گذشتہ دنوں اکیڈمی تشریف لائے تھے۔ اس کے بعد اکیڈمی کے سلسلہ میں ان کی دلچسپی میں اضافہ ہوا ہے۔ فطری طور پر ان سے اکیڈمی کے مسائل کے بارے میں تفصیلی گفتگو رہی۔ مالی وسائل کی کمی کے باعث پیدا ہونے والی غیر یقینی صورت حال پر قابو پانے کا مسئلہ خاص طور سے زیر غور رہا۔ وہ اپنے احباب سے بھی اس سلسلے میں بات چیت کرتے رہے تھے۔ ایک روز انہوں نے ان احباب کو رات کے کھانے پر مدعو کیا جنہوں نے اکیڈمی کے سلسلہ میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ راقم حروف نے اکیڈمی کی تاسیس کے پیچھے کارفرما مقاصد، اس کی تاریخ اور خدمات، اس طرح کے ادارے کی ضرورت اور اہمیت، موجودہ صورت حال اور مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں گفتگو کی۔ ان مسائل پر قابو پانے کے لیے اسٹریٹیجی تیار کرنے کے مسئلہ پر ان حضرات نے اپنے تجربات کی روشنی میں اظہار خیال کیا۔ طے یہ پایا کہ ایک طرف تو اکیڈمی اپنی مطبوعات کے معیاری ایڈیشن کی اشاعت کا کام جاری رکھے۔ دوسرے ان کتابوں کا انگریزی اور ہندی ترجمہ کرایا جائے اور انہیں شائع کیا جائے، اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ اکیڈمی کا حیات بخش لٹریچر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے گا۔ اس طرح ان مقاصد کو زیادہ بہتر طریقہ پر حاصل کیا جاسکے گا جن کے حصول کے لیے دارالمصنفین کو قائم کیا گیا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ اکیڈمی کے وسائل میں بھی استحکام کی صورت پیدا ہوگی۔ ان احباب نے اس سلسلہ میں تعاون کی پیشکش بھی کی ہے۔ مسقط کے احباب کی طرف سے اکیڈمی کو جو تعاون ملتا رہا ہے اس طرح کا تعاون اگر دوسرے قدر دانوں کی طرف سے بھی ملنے لگے تو اکیڈمی کے بہت سے مسائل کے حل کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔

مقالات

فقہی رخصتوں کا تتبع اور ان پر عمل

ذکی الرحمن غازی

استفتاء یا اہل علم سے زندگی کی پیچیدگیوں کے بارے میں شرعی رہنمائی طلب کرنا اسلامی معاشرتی زندگی کا لازمہ ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر متعدد عظیم المرتبت ائمہ کرام نے استفتاء کے موضوع پر مستقل تصنیفات تیار کی ہیں اور ان کے ذریعہ سے فتوے کی اہمیت، ضابطے اور آداب کی وضاحت فرمائی ہے، نیز مسائل اور مفتی ہر دو کے فرائض منصبی اور ذمہ داریوں اور ان سے متعلق احکامات کو بھی پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آج اگر اس موضوع کے تعلق سے مسلم معاشرے کی سیرت و کردار کا تجزیہ کیا جائے، تو یہ بات واضح طور پر ہمارے مشاہدے میں آتی ہے کہ افتاء و استفتاء کے بارے میں ہمارا طرز عمل بڑی حد تک شریعت حنیفیہ کی تعلیمات سے منحرف اور ائمہ عظام کے مقرر کردہ اصولوں سے دور ہو گیا ہے۔

آج افتاء کے تعلق سے ہمارے اندر احساس ذمہ داری کا فقدان، جلد بازی، بلا تثبیت و مراجعہ کے ناپختہ رائے کا اظہار، باوجود نااہلی و بے مستندی کے فتویٰ دینے کی جسارت، اس میں سہولت کوشی اور مستفتی کی خواہش نفس کی مطابقت کا اہتمام وغیرہ جیسی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ ذکر کردہ جملہ امور میں سے ہر ایک کے کچھ اسباب و دواعی ہوتے ہیں جن سے اس مختصر مضمون میں تعرض نہیں کیا جاسکتا۔ ناچیز کی نظر میں ان تمام امور میں سب سے زیادہ خطر و پر فتن مسئلہ آخر الذکر ہے یعنی فتوے میں سہولت کوشی و تن آسانی کو مد نظر رکھنا۔ افتاء و استفتاء میں حد اعتدال سے بڑھتا ہوا سہولت پسندی کا یہ رجحان ایک طرح سے فقہی رخصتوں کے تتبع اور ان پر عمل کا قوی محرک بنتا ہے، جو اپنے آپ میں ایک بے حد خطرناک اور مکروہ رجحان ہے۔ ہمارے زمانے میں اس بیماری نے

اسلامی یونیورسٹی، مدینہ منورہ۔

ایک قسم کے فیشن کی صورت اختیار کر لی ہے، جس کے نتیجے میں عالم اسلام میں خود ساختہ آراء و فتاویٰ کا ایک خود رو جنگل وجود میں آ گیا ہے اور صنعتی اشیاء خورد و نوش کی طرح ہر نیا دن کچھ سر پھرے افکار کو جنم دیتا جاتا ہے۔ اس مضمون میں اسی حساس مسئلہ کے کچھ پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ وبالله التوفیق۔

شرعی رخصت کا مفہوم: عربی زبان میں رخصت کے لغوی معنی تسہیل، تخفیف، تیسیر اور عدم تشدید کے آتے ہیں۔ (مقائیس اللغة، ابن فارس ۵۰۰/۲۔ لسان العرب، ابن منظور ۴۰/۷) شرعی رخصت کے اصطلاحی معنی ہیں ”وہ حکم شرعی جو صعوبت سے سہولت کی طرف منتقل ہوا ہو اور جس میں کسی عذر کے باعث آسانی پیدا کر دی گئی ہو اگرچہ اصلی حکم کا سبب جوں کا توں اپنی جگہ قائم ہو“۔ (رفع الحاحب عن مختصر ابن الحاحب، تاج الدین سبکی ۲۶۱/۲۔ مذکرۃ فی اصول الفقہ، محمد الامین شنیطلی، ص ۶۰)

شرعی رخصت کے عام مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ ان گنجائشوں کی مشروعیت سے شارع حکیم کے پیش نظر یہ ہے کہ مکلفین پر تخفیف ہو اور احکام شریعت میں سہولت کا پہلو نمایاں رکھا جائے تاکہ ان پر عمل آوری کا داعیہ باقی رہے اور بندگان خدا کی زندگی مشقت و حرج سے محفوظ رہ سکے۔ مثال کے طور پر جو شخص کسی وجہ سے پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو یا پانی ناپید ہو گیا ہو، تو ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا۔ (نساء: ۴۳)

اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو، بے شک اللہ نرمی سے کام لینے والا اور بخشنش فرمانے والا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں نص جلی کے ساتھ مردار کھانے کی حرمت وارد ہوئی ہے لیکن آگے چل کر حالت اضطرار میں اس کے استعمال کی رخصت بھی دی گئی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ
الْحَنْزِيرِ وَمَا أَهْلَ لَغَيْرِ اللَّهِ بِهِ
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْفُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ
وَالنَّطِيطَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا
ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبَحَ عَلَى النُّصَبِ وَإِنْ
تَسْتَفْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فَسُقُ
الْيَوْمَ بِئْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ
فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ الْيَوْمَ
أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ
الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي
مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَحِيمٌ - (مائده: ۳)

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار، خون، سور کا گوشت،
وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا
گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی
سے گر کر یا ٹکڑا کر مر رہا ہو یا جسے کسی درندے نے
پھاڑا ہو۔ سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر
ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو،
نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے
ذریعے سے اپنی قسمت معلوم کرو، یہ سب افعال
فسق ہیں، آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف
سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہذا تم ان سے نہ ڈرو
بلکہ مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارے دین کو
تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر
تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے
دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔ (لہذا حرام و
حلال کی جو قیود تم پر عائد کی گئی ہیں ان کی پابندی
کرو)، البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں
سے کوئی چیز کھالے، بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف
اس کا میلان ہو تو بیشک اللہ معاف کرنے والا اور
رحم فرمانے والا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں مثالوں جیسی بے شمار مثالیں ہیں جو اسلامی شریعت میں رخصتوں کے
ضمن میں آتی ہیں۔ بندگان خدا کے لیے سہولتوں کی فراہمی کا اہتمام اور رخصتوں کی مشروعیت
ایک ایسا اسلامی اصول ہے جس کی تائید قرآن و سنت کی اکثر نصوص کی واضح دلالت سے ہوتی
ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ - (البقرہ: ۱۸۵)
اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ - (حج: ۷۸)
اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

اللہ کے سچے رسول کا ارشاد ہے:

عليكم برخصة الله الذي رخص لكم - (صحیح مسلم: رقم ۱۱۱۵، سنن نسائی: رقم ۲۲۵۸ مع تصحیح البانی)
تم لوگ اللہ کی عطا کردہ رخصتوں پر عمل پیرا ہونے کو لازم پکڑو۔

قرآن و سنت میں وارد اس قسم کی آیات و احادیث کی روشنی میں علمائے دین نے ایسے متعدد شرعی قواعد کا استنباط کیا ہے جو اسلام کی سماحت اور عدل پروری کی جیتی جاگتی دلیل ہیں۔ متعدد اہل علم نے ان شرعی قاعدوں کو مختلف تاریخی اطوار میں مستقل تصانیف کا موضوع بنایا ہے۔ زیر بحث موضوع سے تعلق رکھنے والے چند شرعی قواعد یہ ہیں:

۱- المشقة تجلب التيسير (مشقت کا وجود آسانی لاتا ہے)

۲- الحرج مرفوع (حرج کا ازالہ ضروری ہے)

۳- لا ضرر ولا ضرار (نہ نقصان اٹھایا جائے نہ کسی کو پہونچایا جائے)

۴- الضرر يُزال (متعدی مضرت کا ازالہ کیا جائے گا)

۵- اذا ضاق الأمر اتسع (جب معاملہ تنگ ہو جائے تو اس میں وسعت آجاتی ہے)

سابق الذکر آیات، احادیث اور معتبر شرعی قواعد سے ایک طرف جہاں اسلامی شریعت کا عمومی مزاج پتہ چلتا ہے، وہیں ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاملات زندگی میں مشقتوں پر سہولتوں کی ترجیح اور رخصتوں کی فراہمی کا پہلو کسی بھی انسانی نظام حیات کے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دین فطرت اسلام نے اس پہلو کی کما حقہ رعایت کی ہے۔ (رفع الحرج فی الشريعة الإسلامية، ضوابطه وتطبيقاته: الدكتور صالح بن حميد، ص ۹۳۔ الدرر البهية فی الرخص الشرعية، الدكتور اسامة الصلابي: ص ۶۰)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری نظر آتی ہے کہ ان شرعی رخصتوں سے مستلزم کچھ احکام، شرائط اور ضابطے بھی ہوتے ہیں، جن پر علمائے اصول فقہ نے اپنی کتابوں میں مستقل ابواب کے تحت خاطر خواہ گفتگو فرمائی ہے۔ یہاں شرعی رخصتوں کے مفہوم اور مثالوں کی وضاحت سے اس لیے تعرض کیا گیا ہے تاکہ قارئین کی نظر میں زیر نظر مضمون کے موضوع سے ان کا کسی قسم کا التباس باقی نہ رہے۔ ہمارا موضوع فقہائے دین کی رخصتوں کا تتبع اور اس کی شرعی حیثیت ہے اور اس پر تفصیلی کلام آگے آئے گا۔ اس کے برخلاف شرعی رخصتوں پر عمل کرنے میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہوتی، بشرطیکہ تمام لوازم پائے جائیں اور کوئی شرعی امر مانع نہ ہو۔ اس مضمون کا مدار بحث یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں فقہائے اسلام کے مختلف اقوال میں تلاش بسیار کے بعد آسان ترین قول کو اختیار کرنا، بذات خود کس حد تک جائز ہے؟

تتبع کی تعریف: رخصت ہائے فقہیہ کے تتبع (تلاش بسیار) کی اہل علم حضرات نے متعدد تعریفیں کی ہیں۔ اگرچہ ان تعریفات کا منشا و مفہوم ایک ہے لیکن ان میں سے بعض تعریفیں بڑی دقیق ہیں۔ علامہ بدر الدین زکشیؒ کے نزدیک تتبع کی تعریف یہ ہے کہ انسان ہر فقہی مسلک سے اپنے لیے آسان جزئیہ کو اختیار کرے۔ (البحر المحیط: ۶/۳۲۵) جلال محلیؒ کے نزدیک تتبع یہ ہے کہ انسان اپنے پیش آمدہ مسائل میں ہر مسلک سے وہ لے جو اس کے لیے آسان ہو۔ (شرح المحلی علی جمع الجوامع: ۲/۴۰۰) عصر حاضر میں بین الاقوامی اسلامی فقہی فورم (جدہ، سعودی عرب) نے اس کی جو تعریف اختیار کی ہے وہ یہ ہے کہ انسان جان بوجھ کر ان مسلکی اجتہادات کو اختیار کرے جو کسی امر کو جائز قرار دیں، حالانکہ ان کے مقابلے میں اس امر کی ممانعت کے اجتہادات بھی موجود پائے جاتے ہوں۔ (قرارات و توصیات مجمع الفقہ الاسلامی الدولی: ۱۵۹-۱۶۰، قرار رقم: ۷۰) خلاصہ یہ ہے کہ تتبع کا مطلب ہے کہ انسان دینی مسائل میں علمائے کرام کا وہ قول اختیار کرے جو اس کے اپنے لیے سہولت کا حامل بنتا ہو، بایں طور کہ اس کا یہ بین المسلمی اتباع کسی دلیل یا برہان کی قوت و فہم کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ اس کا محرک ہوائے نفس کی پیروی، شہوت پرستی یا شریعت سے ناواقفیت یا اعراض ہو۔

تلفیق کا مسئلہ: تتبع سے ملتا جلتا لیکن اس سے بیحد مختلف ایک مسئلہ تلفیق کا ہے۔ تلفیق کا

مطلب ہے کہ کسی ایک دینی مسئلے میں دو یا دو سے زیادہ فقہی اقوال کو اس طرح جوڑ کر دیکھا جائے کہ اس سے ایک ایسا تیسرا قول پیدا ہو جائے جس کو کسی مجتہد نے کبھی اختیار نہ کیا ہو۔ (عمدۃ التحقیق فی التقليد والتلفیق، محمد سعید البانی: ص ۹۱) بیشتر علمائے کرام کے نزدیک تلفیق سرے سے ممنوع ہے جبکہ بعض دیگر فقہاء نے اس کو مشروط جائز رکھا ہے۔ مجیزین میں نمایاں نام علامہ شہاب الدین مالکی قرافی، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم اور عبد الرحمن معلّیٰ کے آتے ہیں۔ (التلفیق فی الاجتہاد والتقليد، دکتور ناصر المیمان: ص ۱۸۱) موجودہ زمانے میں بین الاقوامی اسلامی فقہی فورم (جدہ، سعودی عرب) نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ ذیل میں ان کی تجویز کردہ شرائط کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے:

- ۱- تلفیق کے نتیجے میں کسی ممنوع و حرام چیز کا جواز برآمد نہ ہوتا ہو۔
 - ۲- تلفیق کی رو سے مسلمان حاکم وقت کا کوئی فیصلہ مسترد نہ ہوتا ہو۔
 - ۳- تلفیق سے کسی معمول بہ تقلیدی حکم کا ابطال نہ ہوتا ہو۔
 - ۴- اجماع یا اس کے لوازم متاثر نہ ہوتے ہوں۔
 - ۵- کوئی ایسا حکم یا حالت ترکیب نہ پاتی ہو جس پر کبھی کسی مجتہد کا عمل نہیں رہا۔
- ان شرائط میں سے ہر شرط کے ضمن میں چند مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں، لیکن سر دست ان سے تعرض نہ کرتے ہوئے یہاں ہم صرف تلفیق اور تتبع کے مابین فروق گنانے پر اکتفا کریں گے:
- ۱- تتبع کے ذریعہ سے اختلافی مسائل میں اسہل و خفیف قول پر عمل درآمد ہوتا ہے، جبکہ تلفیق کے ذریعہ کسی ایک مسئلے میں دو یا دو سے زیادہ اقوال کو جمع کر کے ان سے کسی شرعی حکم کا استنتاج و استنباط کیا جاتا ہے۔
 - ۲- تلفیق کے ذریعہ فقہاء کے اقوال میں تصرف کر کے ایسا حکم نکالا جاسکتا ہے جو کسی مجتہد نے کبھی مستنبط نہیں کیا ہو، جبکہ تتبع میں صرف موجودہ اقوال کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہی اپنا مطلوب حاصل کیا جاتا ہے۔
 - ۳- تلفیق کا عمل بسا اوقات اجماع کی مخالفت کا سبب بن جاتا ہے، جبکہ تتبع میں نقض اجماع کا امکان نہیں ہوتا۔

اخذ رخصت کا حکم: اس عنوان کے تحت دو مسئلے آتے ہیں، شرعی رخصت کے اخذ کا حکم اور تتبع کا حکم، ہم سلسلہ وار ان پر گفتگو کریں گے:

شرعی رخصت کے اخذ کا حکم: جمہور اہل علم کے نزدیک شرعی رخصتوں سے استفادے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ ان کے اسباب و داعیات کو مد نظر رکھا جائے۔ شرعی رخصت کی کئی اقسام ہیں:

۱- واجب رخصت، مثلاً حالت اضطرار میں مرد ار کا کھانا۔ چونکہ احیائے نفس واجب ہے اس لیے یہ رخصت بھی واجب ہوگی۔

۲- مستحب رخصت، مثلاً حالت سفر میں نمازیں قصر کرنا جب کہ تمام شروط پائی جائیں اور کوئی مانع بھی نہ ہو۔

۳- مباح رخصت، مثلاً شدید اکراہ کی حالت میں قلبی ایمان رکھتے ہوئے کلمہ بکفر بول دینا۔
۴- خلاف اولیٰ رخصت، مثلاً ماہ رمضان میں کوئی ایسا مسافر روزہ نہ رکھے جس کے بارے میں یقین ہو کہ حالت سفر میں روزہ رکھنے سے وہ تکلیف میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: شرح الکوکب الممیر: ابن النجار، الدرر البھیة فی الرخص الشرعية: دکتور اسامہ صلابی)
تتبع رخصت کا حکم: فقہائے اسلام کی رخصتوں اور غلطیوں کو دلیل بنا کر آسانیاں تلاش کرنا ایک مذموم عمل ہے۔ علمائے کرام نے سختی کے ساتھ اس عمل کی ممانعت کی ہے۔ بعض فقہاء جیسے علامہ ابن حزم ظاہری، ابن عبد البر مالکی، ابوالولید باجی، ابن صلاح شافعی اور ابن نجار حنبلی وغیرہ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔ (مراتب الایمان، ص ۵۸۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ۲/۹۱، حاشیہ الموافقات، ۵/۸۲۔ ادب المفتی والمستفتی، ص ۱۲۵۔ شرح الکوکب الممیر، ۲/۵۷۸)
یہاں اہل علم کے چند اقوال کا ذکر کرنا مناسب نہ ہوگا:

۱- خلیفہ راشد ثانی حضرت عمرؓ ابن الخطاب فرماتے ہیں: ”دین کو تین چیزیں مسمار کر سکتی ہیں: کسی عالم کی لغزش، منافق کا قیل وقال اور ائمۃ المسلمین کی گمراہی“۔ (سنن دارمی: ۱/۷۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۳۵)

۲- امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: ”جو شخص علماء کے نادر اقوال اختیار کرے گا وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا“۔ (سیر اعلام النبلاء: ۷/۱۲۶)

۳- عز بن عبد السلامؒ کہتے ہیں: ”ائمہ میں سے کسی کی بھی تقلید کرنا جائز ہے لیکن رخصتوں کا تتبع جائز نہیں۔“ (فتاویٰ العز بن عبد السلامؒ: ص ۱۲۲)

۴- امام ذہبیؒ کہتے ہیں: ”جو مسالک کی رخصتوں اور مجتہدین کی غلطیوں کی تلاش بسیار کرتا ہے اس کی ایمانی حالت کمزور ہو جاتی ہے۔“ (سیر اعلام النبلاء: ۸/۸۱)

۵- حضرت ابراہیم ابن علیہؒ کہتے ہیں: ”جو شخص بھی علمی شذوذ کی پیروی کرتا ہے، ضلالت اس کا مقدر ہوتی ہے۔“ (ذیل تذکرۃ الحفاظ: ص ۱۸۷)

ویسے تو اس مسئلے میں کبار علمائے اسلام نے بڑی تاکید کے ساتھ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے لیکن اختصار کے پیش نظر ہم نے صرف چند اقوال کو ہی نقل کیا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ مذکورہ بالا تمام اقوال کا حکم اس شخص کے لیے مخصوص ہے جو اتباع نفس، تساہل پرستی، شریعت سے اعراض یا تجاہل کے باعث ایسا کرتا ہے۔ البتہ اگر محرک یہ سب چیزیں نہیں ہیں تو درج ذیل شروط کی رعایت کرتے ہوئے فقہی رخصتوں کو اختیار کیا جاسکتا ہے:

۱- رخصتوں کی اجازت دینے والے فقہاء کے اقوال کو شرعی اعتبار حاصل ہو، یعنی ان کا شمار شذوذ میں نہ کیا جاتا ہو۔

۲- ان رخصتوں کے اختیار کرنے کی کوئی ضروری وجہ پائی جائے، مثلاً انفرادی یا معاشرتی سطح پر کسی واقعی مشقت کا ازالہ مقصود ہو۔

۳- رخصت اختیار کرنے والے کی علمی صلاحیت اتنی ہو کہ وہ بذات خود فقہی مسائل میں بحث و تمحیص کر سکتا ہو، یا وہ کسی باصلاحیت خدا ترس عالم کے اعتماد پر ایسا کرے۔

۴- ان رخصتوں کا اختیار کرنا تلفیق کا سبب نہ بنتا ہو۔

۵- ان رخصتوں کو اختیار کر کے کسی غیر شرعی مقصد کی حصول یا بی نہ ہوتی ہو۔

۶- رخصت کے اختیار کرنے پر مکلف کا دل آمادہ و مطمئن ہو۔ (قرارات و توصیات مجمع

الفقہ الاسلامی الدولی، ص ۱۵۹-۱۶۰)

تتبع رخص کے مضر اثرات و نتائج: فقہی رخصتوں کا تتبع کرنے سے کچھ سلبی اثرات مرتب ہوتے ہیں، جو بسا اوقات بیحد سنگین منفی نتائج کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔ متعدد اہل علم حضرات

خصوصاً امام شاطبیؒ، امام نوویؒ، علامہ ابن صلاحؒ اور علامہ ابن القیمؒ وغیرہ نے اس بارے میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔ یہاں اس کی تلخیص مرتب انداز میں پیش کی جاتی ہے:

- ۱۔ رخصتوں کا تتبع کرنے سے اسلامی شریعت کے اصول و مقاصد کی مخالفت لازم آتی ہے۔ شریعت اسی لیے نازل ہوئی ہے کہ انسان اپنی خواہشات نفس کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔ جب کہ رخصتوں کا تتبع کرنے والا شخص ہمیشہ اپنی ہوائے نفس کا اسیر بن رہتا ہے۔
- ۲۔ رخصتوں کا تتبع تکالیف شرعیہ کے خلاف بلکہ عین تکلیف بشر کی ضد ہے، کیونکہ تتبع کی رو سے ہر شرعی حکم میں مکلف کو جو چاہے کرنے کی آزادی مل جاتی ہے اور یہ بالآخر اسقاط تکلیف کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

۳۔ دلیل کی اتباع چھوڑ کر اختلاف کی اتباع کرنا، اسلام کے عمومی مزاج کے خلاف ہے۔ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى
اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ
تَأْوِيلًا -

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور
اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں
سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان
کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور
رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ
آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار

(نساء: ۵۹) ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

۴۔ رخصتوں کا تتبع کرنے سے دین اور احکام شرع کے تین اہانت و استخفاف کا رویہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک مرتبہ جب یہ سیلاب بہ نکلتا ہے، تو کوئی اخلاقی و دینی بند بھی اس کے آگے کام نہیں دیتا۔

۵۔ رخصتوں کا تتبع کرنے میں انسان معلوم و مبرہن چیز کو چھوڑ کر مجہول و غیر ثابت چیز کو اختیار کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

۶۔ رخصتوں کا تتبع کرنے کے نتیجے میں شریعت کا سیاسی و حکومتی نظام پارہ پارہ ہو جاتا ہے

کیونکہ اس کی بدولت اجتماعی قوانین کا نفاذ ناممکن ہو جاتا ہے جو عام انارکی و بد امنی پر منبج ہوتا ہے۔

۷۔ رخصتوں کا تتبع دیرسویا انسان کو تلفیق اور خرق اجماع پر آمادہ کر دیتا ہے۔

تتبع رخص دور حاضر میں: اس عنوان کے تحت ہم اختصار کے ساتھ مفتیان و مستفتین ہر دو حضرات کے موجودہ حالات کا مختصراً تجزیہ کریں گے۔

اہل افتاء کی صورتحال: عصر حاضر کے بعض مفتیان حضرات کے افتائی منہج کو دیکھ کر ڈر لگتا

ہے کہ کہیں وہ مذمت و توبیخ جو علمائے سوء کے بارے میں وارد ہوئی ہے، ان حضرات پر صادق نہ

آتی ہو۔ آج بہت سے اہل علم حضرات نے تیسیر اور تسہیل کو ایک علمی منہج کی حیثیت سے اپنا لیا ہے

اور اس منہج کی تائید میں عام اور غیر منضبط دلائل کا طومار بھی کھڑا کیا جاتا ہے۔ لیکن ذرا غور کرنے

سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے جملہ دلائل اس مقولہ کی قبیل سے ہیں جس کو تاریخ نے ”کلمۃ حق

أريد بها الباطل“ کا نام دیا تھا۔ ان حضرات کے تمام دلائل کا مجموعی خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ دین

اپنے آپ میں آسان ہے اور اسلامی شریعت کا طرہ امتیاز ہے کہ اس کی بنیاد سہولت و سماحت اور

رفع حرج جیسے اصولوں پر رکھی گئی ہے، لہذا اگر چند مسائل کے اندر ان اصولوں کی روشنی میں اپنے

فقہی سرمائے سے سہولت پر مبنی اقوال کو ترجیح دے دی جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

بہت سے کوتاہ بین حضرات ان صحیح ابتدائی مقدمات سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، حالانکہ ان مقدمات

سے جن نتائج کو برآمد کیا جاتا ہے، وہ اپنے فاسد و غلط ہونے میں کسی دلیل کے محتاج نہیں ہوتے۔

اگر شریعت اسلامی نے اپنی تکالیف میں یسر و سہولت کی رعایت کی ہے تو اس کا یہ لازمی نتیجہ کیسے

برآمد کر لیا جائے کہ اب فقہی اقوال میں سے جس کو دل چاہے اختیار کیا جاسکتا ہے؟ نفس پرستوں

کے لیے رخصتیں چھانٹ چھانٹ کر فراہم کرنے اور اسلامی شریعت کی سادگی و آسانی میں زمین

آسمان کا فرق ہے اور پھر شارع کی نافذ کردہ شرعی تکالیف کی مشقت کو کیسے کسی عالم یا فقیہ کے

شد و ذ کی بنیاد پر رفع کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک بنیادی غلطی اور مغالطہ آمیزی ہوگی کہ ہم کسی صحیح اصل پر

فاسد جزئیہ کی بنا رکھیں۔ مسئلے کی اس سنگینی کی وجہ سے ہی قدیم علمائے اسلام نے بڑی شد و مد کے

ساتھ اس کی ممانعت کی ہے (رفع الملام عن الائمة الاعلام، ابن تیمیہ۔ اعلام الموقعین، ابن القیم:

۱/۸۷۔ المبدع، ابن مفلح: ۱۰/۲۵۔ کشاف القناع، منصور بن یونس البھوتی: ۶/۳۰۰)

طرفہ تماشایہ ہے کہ بعض نام نہاد اہل علم حضرات، فقہاء کے ان اقوال و آراء تک سے حجت لیتے ہیں، جو واضح طور پر شرعی نصوص سے متصادم ہوتے نظر آتے ہیں۔ ایسے حضرات کی بھی کمی نہیں ہے جو عصری تغیرات و ترقیوں کا حوالہ دے کر اسلامی فقہ کی از سر نو تدوین کا دم بھرتے نہیں تھکتے۔ حالانکہ اس طرز فکر کے جو مسموم اثرات و نتائج سامنے آئے ہیں اور جس طرح قرآن و سنت کے مخالف بے سرو پا افکار و خیالات ان میں سے بعض حضرات نے اختیار کئے ہیں وہ دیدہ بینا کے لیے قابل عبرت و موعظت ہے۔ کہیں عورت کی امامت کو جواز بخشا جاتا ہے تو کہیں ارتداد اور دیگر جرائم کی شرعی حدود کے بطلان کی بات کی جاتی ہے۔ کہیں غناء و سرود کو مباح بتایا جاتا ہے تو کہیں ہر مسئلہ میں مرد و عورت کی کامل مساوات کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ کہیں اجنبی عورت سے مصافحہ اور تعارفی بوس و کنار کی وکالت ہوتی ہے تو کہیں قصاص کی از سر نو تشریح و تعبیر کو لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ نوبت بایں جا رسید کہ ملک کی قانون ساز کمیٹی کو تسلی دی جاتی ہے کہ وہ اپنے حساب سے جو بھی قانون بنانا چاہے بنائے، اس کو شرعی و فقہی استناد دینا ہمارا کام ہے۔ (ان اقوال کے لئے دیکھیں: التعلیم و اثرہ علی الفکر و الکتاب، بکر ابو زید: ص ۱۲۲۔ ارسال الشواظ علی من تتبع الشواذ، صالح شمرانی: مکمل)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا کسی عالم یا مفتی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے اختیار و خواہش کے مطابق فتاویٰ کا انتخاب کرے؟ اور کیا کوئی مفتی اپنی یا مستفتی کی خواہش کی موافقت میں کسی فقہی قول پر فتویٰ دے سکتا ہے؟ امام ابن القیمؒ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”ایسا کرنا فسق الفسوق اور اکبر الکبائر ہے۔ واللہ المستعان“۔ (اعلام الموقعین: ۴/۱۸۵) امام شاطبیؒ نے اس سوال کے جواب میں خود کچھ کلام نہ کر کے صرف علامہ ابوالولید باجیؒ کا یہ قول نقل کر دیا ہے: ”کسی کے لیے بھی جائز، مناسب اور حلال نہیں ہے کہ وہ اللہ کے دین میں ایسا فتویٰ دے جس کے حق ہونے کا وہ اعتقاد نہیں رکھتا، قطع نظر اس سے کہ اس کے فتوے سے کون راضی ہوتا ہے اور کون ناراض۔ مفتی کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کا حکم بتاتا ہے، پھر بھلا کیسے وہ اللہ کی طرف سے ایسا حکم بیان کر سکتا ہے جس کے حکم الہی ہونے کا وہ خود بھی معتقد نہیں۔ اللہ نے ایسے مواقع کے لیے اپنے نبیؐ سے فرمایا تھا:

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ پس اے محمد! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ
مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے (مائدہ: ۴۹)

طرف نازل کی ہے۔ (الموافقات: ۹۱/۵)

مسئلے کی سنگینی کے پیش نظر متعدد اہل علم نے مفتی ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط عدم تساہل اور عدم ترجیح پسندی کو بھی شامل کیا ہے۔ تساہل کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

۱- دلائل اور طرق احکام کی طلب میں سہولت کوئی کرنا یا اس طور کہ نا پختہ افکار و خیالات کو معتبر قرار دیتا ہو۔ ایسا شخص اجتہاد کا حق ادا نہیں کرتا اور اس کا فتویٰ دینا یا اس سے فتویٰ پوچھنا دونوں جائز نہیں۔

۲- رخصتوں کی طلب اور مشتبہ امور کی تاویل و توجیہ میں تساہل سے کام لیتا ہو۔ ایسا شخص اپنے دین میں کوتاہ اور سابق الذکر پہلی قسم کے تساہل سے کہیں زیادہ گنہگار ہے۔ (قواطع الادلۃ فی اصول الفقہ، ابوالمظفر سمعانی: ۳/۳۳۸۔ البحر المحیط، بدرالدین زرکشی: ۶/۳۰۵)

حضرت قاضی اسماعیلؒ کہتے ہیں: ”میں عباسی خلیفہ معتضد باللہ کے یہاں حاضر ہوا تو اس نے ایک کتاب میرے ہاتھ میں دی۔ میں نے کتاب کے مضمولات کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ کسی چاپلوس درباری نے فقہاء کی غلطیوں اور رخصتوں کو مع دلائل جمع کر کے خلیفہ کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے کہا کہ اس کتاب کا مصنف ملحد و زندقہ ہے۔ خلیفہ نے کہا: کیا اس کتاب میں مذکورہ احادیث صحیح نہیں ہیں؟ میں نے کہا: احادیث تو درست ہیں لیکن جس فقیہ نے نبیؐ کو حلال کہا ہے اس نے متعہ کو حرام مانا ہے اور جس نے متعہ کو مباح کہا ہے اس نے نبیؐ کو حرام مانا ہے۔ دیکھئے ہر فقیہ دین کا کوئی نہ کوئی موقف غلط ہوتا ہے، لہذا جو شخص ان کی غلطیوں کو جمع کر کے اسے اسلام بتائے تو اس کا دین باقی نہیں رہتا۔ یہ سن کر خلیفہ نے اس کتاب کے جمع نسخوں کو جلانے کا حکم صادر کر دیا۔“ (السنن الکبریٰ، بیہقی: ۱۰/۳۵۶)

صحیح بات یہ ہے کہ شریعت کے اختلافی مسائل میں، بقول شاطبیؒ، قرآن کے وضع کردہ

ضابطہ کی پیروی کی جانی چاہیے۔ اتباع ہوئی کے برعکس ہمیں قرآن جو ضابطہ دیتا ہے وہ یہ کہ ہر متنازع معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹایا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى
اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ
تَأْوِيلًا -

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور
اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں
سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان
کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور
رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ
آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار

(نساء: ۵۹) ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

لہذا اگر کسی مسئلے میں دو مجتہدین میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کو شرعی دلائل کی روشنی میں فیصلہ کیا جانا چاہیے اور دو مسلکوں میں سے کسی ایک کو محض سہولت کوٹی اور اتباع نفس کی خاطر رائج ماننا رجوع الی اللہ والرسول کے منافی ہے۔ (الموافقات، الشاطبی: ۵/۸۱-۸۲)

عوام الناس استفتاء کرنے والوں کی صورتحال: فتوے کے تعلق سے ہمارے دینی بھائیوں میں جو عام رجحان پیدا ہو چلا ہے اس کے نمایاں خط و خال یہ ہیں:

- (۱) تساہل پرستی و سہولت کوٹی۔
- (ب) اللہ تعالیٰ کی نگرانی کے احساس کی کمی۔
- (ج) مختلف المسالک علماء حضرات کے اقوال کو آپس میں موضوع بحث بنانا۔
- (د) شریعت پر عمل کرنے میں اپنی سہولت سے ترک و انتخاب کرنا۔
- (ه) ایک سے زیادہ علمائے کرام سے فتویٰ پوچھنا اور آسان ترین و دل پسند فتوے پر عمل کرنا۔

مذکور بالا اوصاف آج ہمارے بیشتر دینی بھائیوں کے طرز عمل پر صادق آتے ہیں۔ علمائے ربانین نے ہمیشہ اس قسم کے غیر شرعی تصرفات پر شدت کے ساتھ نکیر فرمائی ہے اور اس منحرف منہج کے پیروکاروں کو مختلف برے خطابات سے یاد کیا ہے۔ حضرت معمرؓ نے انہیں اللہ کے

بدترین بندے کہا ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث، حاکم: ص ۵۶۔ تلخیص الحجیر، ابن حجر: ۳/۱۸۷) علامہ ابن نجار نے انہیں فق سے موسوم کیا ہے۔ (مختصر التحریر، ابن نجار: ص ۲۵۲) امام غزالی فرماتے ہیں: ”عام آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مختلف مسالک سے انتخاب کر کے ہر مسئلے میں آسان قول کو اختیار کرے۔“ (المستصفیٰ: ۲/۴۶۹) علامہ ابن عبدالبر نے اس عمل کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۹۱۔ شرح الکوکب المنیر، ابن نجار: ۴/۵۷۸) امام شاطبیؒ اور امام نوویؒ نے اس عمل کے منفی اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ”اگر مستفتی ہر ہر مسئلے میں مختلف مسالک کی موجودہ گنجائشوں کا تتبع کرتا ہے، تو اس کا یہ عمل للہیت سے دوری، ہوائے نفس کی پیروی اور شارع کی نافذ کردہ تمام حدود و قیود کو مسماہ کرنے کے مرادف قرار پائے گا۔“ (الموافقات: ۳/۱۲۳۔ المجموع: ۱/۵۵)

اہل علم نے استفتاء کے لیے چار شرطیں تجویز کی ہیں:

۱۔ مستفتی کے استفتاء کا مقصد حق سے آگہی اور اس پر عمل کا جذبہ ہو، نہ کہ گنجائشوں کی تلاش یا خواہش نفس کی پیروی۔

۲۔ انہی لوگوں سے استفتاء کیا جائے جن کا علمی تجربہ اور خدا ترسی و تقویٰ معلوم و معروف یا غالب گمان ہو۔ مناسب ہوگا کہ اپنی دانست میں معتمد ترین اہل افتاء کا انتخاب کیا جائے۔

۳۔ مسئلہ حالت اور سوال کو من و عن درستی و باریکی سے بیان کیا جائے۔

۴۔ مفتی صاحب کے جواب کو پوری توجہ اور بیدار مغزی سے سمجھنے کی کوشش ہو، اگر کہیں نہ سمجھ میں آئے تو استفسار کیا جائے۔ خود سے اس کے معنی و مفہوم کا تعین نہ کرے اور نہ ہی فتوے کے کچھ اجزاء کو لے کر باقی کو نظر انداز کرے۔

ہمارے زمانے کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اس میں رخصتوں کی تلاش بسیار کرنا ایک رائج الوقت چلن بن گیا ہے۔ اس بیماری کے عام ہونے میں بڑا ہاتھ بعض ٹی وی چینلوں اور انٹرنیٹ کی سائٹوں پر فتویٰ دینے والے نااہل مفتیان کا بھی ہے۔ جب کہ دوسرا بڑا ہاتھ اس مغرب زدہ مسلم طبقے کا ہے جس کی ساری تگ و دو کا مقصد محور یہی بنا ہوا ہے کہ کسی بھی طرح ہر مغربی چیز کو اسلامی چوکھٹا فراہم کر کے مسلم معاشرہ میں پھیلا دیا جائے۔ اب یہ اقامت دین کے لیے اٹھنے والی دینی تحریکوں

اور جماعتوں کے متنبین اور طبقہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس دین حنیف پر مسلط اہل غلو کی غلط تحریفات، باطل پرستوں کے غلط انتسابات و دعوے اور جاہلوں کی دوراز کارتاریات کا پردہ چاک کریں۔ اس سلسلے میں چند تجاویز درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کو آخری مرجع و حاکم کی حیثیت دی جانی چاہیے اور کسی بھی حالت میں کسی بھی دینی مسئلے میں ان سے عدول کی روش نہ اختیار کی جائے۔ ارشاد باری ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ
يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔
(نساء: ۶۵)

نہیں اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن
نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات
میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو
کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ
محسوس کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى
اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ
تَأْوِيلًا۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور
اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں
سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان
کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور
رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روز
آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار

(نساء: ۵۹) ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

قرآن و سنت کا وہی فہم معتبر و معتمد علیہ ہونا چاہیے جو صحابہ کرامؓ نے سمجھا تھا۔ کیونکہ وہ
حضرات قرآن و سنت کی عملی تطبیق و تنفیذ کے چشم دید گواہ رہے ہیں اور اللہ کے رسولؐ نے ان کا
تزکیہ فرمایا ہے، نیز ان کے نہج سے تمسک کا حکم دیتے ہوئے اس کے خلاف امور کو بدعت محدثہ
قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

خیر کم قرنی ثم الذین یلونہم ثم تمہارے بہترین لوگ میری صدی کے ہیں پھر

الذین یلونہم... (صحیح بخاری: اس کے بعد والے پھر اس کے بعد والے...۔
رقم ۲۶۵۱-صحیح مسلم: رقم ۶۶۳۸)

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء تم پر لازم ہے کہ میری اور ہدایت یافتہ
المہدیین الراشدین تمسکوا بها خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام
وعضوا علیہا بالنواجذ، وایاکم لو اور کس کردانتوں سے دبا لو اور خبردار کہ دین
ومحدثات الأمور فان کل محدثہ میں پیدا ہونے والے امور سے بچنا، کیونکہ
بدعة وکل بدعة ضلالة دین میں ہر نیا معاملہ بدعت ہے اور ہر بدعت
(سنن ابوداؤد: رقم ۴۶۰۷-سنن ترمذی: ایک گمراہی ہے۔
رقم ۲۶۷۶-سنن ابن ماجہ: رقم ۶۲)

۲- اجماع کی حجیت کو تسلیم کیا جائے اور اس کو توڑنے یا اس کی اہمیت کو کم کرنے کی
کوششوں پر سخت موقف اختیار کیا جائے۔ ارشاد باری ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا
تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُفْلِهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ
وَسَاءَ ثَمَٰثٍ مَّصِيرًا -
(نساء: ۱۱۵)

مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور
اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے،
درآں حالیکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو
اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جہنم کو وہ پھر گیا
اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے

قرار ہے۔

۳- مختلف فیہ مسائل میں ایسے علمائے کرام کی طرف رجوع کیا جائے جن کا صلاح
وتقویٰ اور علم و تبحر مسلم ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوْ
الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى
الرَّسُولِ وَالْإِلَى الْأُمْرِ مِنْهُمْ
لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْ لَا

یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سن
پاتے ہیں، اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں، حالانکہ
اگر یہ اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار
اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں

فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبْعُثُكُمْ
الشَّيْطَانُ إِلَّا قَلِيلًا - آجائے جوان کے درمیان اس بات کی صلاحیت
رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں، تم لوگوں

پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو (تمہاری

کمزوریاں ایسی تھیں کہ) محدود دے چند کے سوا
(نساء: ۸۳)

تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا
تَعْلَمُونَ - (نحل: ۴۳) اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم لوگ خود نہیں
جانتے۔

۴۔ عوام الناس کو تتبع کے مہلک راستے اور اس کی مضرتوں سے آگاہ کیا جائے اور اس
سلسلے میں تقاریر، خطبے، کتابیں، کیسٹس، رسالے، لیکچرز اور انفرادی نصیحتوں وغیرہ جیسے وسائل
سے کام لیا جائے۔

۵۔ اس خطرہ کے اسباب و محرکات پر غور و خوض کرنے نیز ان کا ازالہ کرنے کے لیے
مختلف سطحوں پر علمی مذاکروں اور ورک شاپس کا انعقاد کیا جائے۔

۶۔ کوشش کی جائے کہ ٹی وی چینلوں اور انٹرنیٹ سائٹوں پر فتویٰ دینے والے حضرات
علمی تجربہ، فہم سلیم، حسن پیشکش اور اعتراف خطا جیسی اعلیٰ صفات سے متصف ہوں۔

۷۔ اس قسم کی کسی بھی رائے یا موقف کا فوری محاسبہ کیا جائے اور اس عادت کے خوگر
افراد پر مختلف اخلاقی طریقوں سے دباؤ کے ذریعہ اس عادت قبیحہ کے ترک پر آمادہ کیا جائے۔

تاریخ فقہ اسلامی

مولانا عبدالسلام ندوی صفحات ۴۶۶ قیمت =/۲۵ روپے

تذکرۃ الفقہاء

مولانا عمیر الصدیق ندوی صفحات ۲۴۳ قیمت =/۱۵۰ روپے

ہندوستان میں مطبوعہ عربی تصانیف سیرتؐ اور ان کے مصنفین (تیرہویں صدی ہجری میں) ڈاکٹر توقیر احمد ندوی

ہندوستان کے منتقدین سیرت نگاروں اور ان کی عربی تصانیف
کے لیے اگست ۲۰۰۰ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں۔

تیرہویں صدی ہجری میں سیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر معتد بہ کام ہوا اس دور کی کتابوں، شعری مجموعوں اور رسالوں کی طویل فہرست ہے مگر مکمل تصنیفات کی تعداد کم ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس دور میں فارسی اور اردو زبانوں کی مقبولیت کی بنا پر عربی زبان کا دائرہ محدود ہو گیا تھا تاہم سیرت پاکؐ کے مختلف پہلوؤں مدح، مناقب، حلیہ، میلاد نبویؐ، طب نبویؐ، معجزات کے اثبات اور شفاعت رسولؐ وغیرہ موضوعات پر تالیفات و تصنیفات کا جو ذخیرہ ہے اس سے ہندوستان میں فن سیرت سے خاص اعتناء کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے، اس صدی کے مصنفین و مولفین سیرت یہ ہیں:

سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی (م ۱۲۰۵ھ): اصل نام محمد بن محمد ہے لیکن سید مرتضیٰ حسینی قادری زبیدی حنفی کے نام سے مشہور ہوئے، حدیث، فقہ اور لغت کے بحر عالم اور علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع تھے، چونکہ زبیدی ان کا قیام طویل عرصہ تک رہا، اس وجہ سے زبیدی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ اصل وطن بلگرام تھا جہاں وہ ۱۱۴۵ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد سندیلہ اور دہلی کا سفر کیا، دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم سے استفادہ کے بعد سورت گئے، وہاں شیخ خیر الدین بن زاہد سورتی سے کسب فیض کیا، ۱۱۶۴ھ میں زیارت حرمین شریفین کے بعد زبیدی،

مصر اور حجاز کے تقریباً سوعلماء و مشائخ سے علوم حدیث کی تحصیل اور فقہ و حدیث کی اجازت حاصل کی، شیوخ و اساتذہ میں شیخ احمد علوی، عبدالحق زبیدی، ابوالعباس احمد بن علی دمشقی حنفی، جمال محمد بن احمد حنبلی، ابوعبداللہ محمد بن احمد غربانی، عبدالغنی بن محمد بحرانی، محمد بن ابراہیم حسین طرابلسی، نزیل حلب، عبدالقادر بن احمد شکعاوی، عمر بن عبداللہ بن عمر قاضی، عیسیٰ بن رزق اور عبدالقادر بن احمد حسینی وغیرہ اہم علماء شامل ہیں۔

سید مرتضیٰ زبیدی مصر میں درس و تدریس کی خدمت پر مامور ہوئے، طلباء کی کثیر تعداد نے ان سے فیض حاصل کیا، اکتساب فیض میں سلطان عبدالحمید خاں سلطان روم اور محمد پاشا وغیرہ بھی تھے جن کو اجازت حدیث حاصل ہوئی، ان کی زندگی ہی میں ان کی تصانیف کو غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کی مرجعیت و مقبولیت دور دراز علاقوں اور قرب و جوار کے خطوں میں یکساں طور پر نظر آتی تھی۔ مگر اخیر عمر میں وہ گوشہ گیر ہو گئے اور لوگوں سے ملنا جلنا بھی بالکل ترک کر دیا تھا، ۱۲۰۵ھ میں طاعون میں وفات پائی اور سیدہ رقیہ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ (۱)

سید مرتضیٰ بلگرامی کثیر التصانیف تھے، صاحب حدائق الحنفیہ نے کم و بیش ستر کتابوں کے نام درج کیے ہیں (۲)، چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں: ۱- عقود الجواهر المنیفة فی ادلة الامام ابی حنیفہ ۲- الازہار المتناثرة فی الاحادیث المتواترة ۳- لغة الغریب فی مصطلح آثار الحبيب ۴- المواہب الجلیة فیما یتعلق بحديث الاولیة ۵- القول الصحیح فی مراتب التعديل والتخريج ۶- تاج العروس فی شرح القاموس ۷- اتحاف السادة المتقین فی احیاء علوم الدین ۸- اعلام الاعلام وغیرہ، فن سیرت میں ان کی کتاب کا نام العقد المنظم فی امہات النبی ہے۔

مولانا ولی اللہ سورتی (م ۱۲۰۷ھ): مولانا ولی اللہ بن غلام محمد سورتی گجرات کے شہر سورت میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی، ان کے والد مولوی غلام محمد برہان پور میں درس و تدریس میں مصروف تھے، سات برس کی عمر تک اپنے والد کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی پھر حرمین شریفین کا سفر کیا، وہاں شیخ ابوالحسن محدث آفندی کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کیا اور کتب احادیث کی سند حاصل کی۔

۱۱۴۹ھ میں والد کی وفات کے بعد ہندوستان واپس آئے اور سورت شہر میں مستقل سکونت اختیار کی اور درس و تدریس اور افادہ علم میں مشغول ہوئے اور تاحیات یہی خدمت انجام دیتے ہوئے خلق خدا کو فیض یاب کرتے رہے، ۱۲۰۷ھ کو وفات پائی اور سورت کے محلہ سیو پور میں آسودہ خاک ہوئے۔ (۳)

مولانا ولی اللہ سورتی گجراتی نے مختلف فنون میں کئی کتابیں لکھیں، سیرت نبویؐ کے موضوع پر ان کی صرف ایک کتاب ”التنبیہات النبویۃ فی سلوک الطریقة المصطفویۃ“ کا پتہ چلتا ہے، اس میں آپؐ کی مکمل سیرت نہیں ہے بلکہ اس کے چند پہلو مثلاً زہد و تقویٰ اور آداب و سلوک وغیرہ بیان کیے گئے ہیں، یہ کتاب دراصل خطیب کی مشکوٰۃ، قاضی عیاض کی شفا اور قسطلانی کی المواہب اللدنیۃ وغیرہ کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، گویا اس کی حیثیت تلخیص کی ہے، اس کی ابتدائی عبارت اس طرح ہے: ”الحمد لله رب العالمین اکمل الحمد علی کل حال والصلاۃ والسلام الاتمان الاکملان الاشمالان علی سید المرسلین کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون“ الخ۔

شیخ اسلم بن یحییٰ کشمیری (م ۱۲۱۲ھ): مولانا ابوالبرہیم اسلم بن یحییٰ بن معین ریفی کشمیری ۱۱۳۹ھ میں پیدا ہوئے، قرآن شریف مع تجوید اپنے دادا سے اور درسی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں، پھر صحاح ستہ کے درس میں شامل ہوئے، تکمیل کے بعد درس و تدریس کے ساتھ عہدہ قضا پر بھی فائز رہے، انہیں خواب میں نبی کریمؐ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا جس میں آپؐ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی تھی، صاحب حدائق الحنفیہ لکھتے ہیں کہ آپؐ نے انہیں اپنا ایک بال بھی عطا کیا تھا جب مولانا بیدار ہوئے تو ان کے ہاتھ میں ایک سیاہ بال موجود تھا، جبکہ خود مولانا کی داڑھی کے تمام بال سفید تھے“ (۴) ۱۲۱۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

مولانا اسلم سے فیض حاصل کرنے والوں میں معروف اور عظیم المرتبت علماء شامل ہیں، جن میں مشہور عالم شیخ عبدالوہاب، مولانا ابوالکارم، ملا حبیب اللہ، ملا عبداللہ، ملا قوام الدین، مفتی ہدایت اللہ، شیخ عبدالنبی، شیخ عطاء اللہ اور سید کمال الدین اندرانی شامل ہیں۔ (۵)

ان کی تحریریں عام طور پر فقہ و تصوف کے موضوعات پر ہیں، انہوں نے مختلف کتابوں

پر تعلیقات و حواشی اور شرحیں بھی سپرد قلم کیں، ان میں سے چند یہ ہیں: حواشی جامع الصغیر ، تعلیقات الجلالین ، حواشی الاشباہ والنظائر اور حواشی الحسامی وغیرہ، ان کے علاوہ سیرت نبویؐ کے موضوع سے متعلق قصیدہ بردہ کی شرح ہے۔

مولانا رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ): مولانا عبد الوہاب رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے وقت کے ممتاز عالم تھے، ۱۱۶۳ھ میں پیدا ہوئے، تعلیم و تربیت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے زیر نگرانی ہوئی اور سند حدیث بھی ان ہی سے حاصل کی، دوران تعلیم شاہ صاحب کے انتقال کے بعد تکمیل اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز سے کی، بیس برس کی عمر میں فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، فقہی مسائل کے لیے لوگوں کا ان کے پاس ہجوم ہوتا، جب شاہ عبد العزیز کی کبر سنی اور کثرت امراض کی وجہ سے طلبہ کا درس متاثر ہونے لگا تو درس کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد کردی، تدریس میں ان کی مہارت کا یہ حال تھا کہ ایک ساتھ مختلف فنون کا درس دیا کرتے تھے اور ہر فن میں جداگانہ شان و امتیاز کے مالک تھے وہ جس فن کا درس دیتے اسی کے ماہر محسوس ہوتے، شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے قرآن مجید کا اردو زبان میں پہلا با محاورہ ترجمہ کیا تھا اور شاہ رفیع الدین نے ۱۲۰۵ھ میں دوسرا ترجمہ کیا، ان کی صحیح تاریخ وفات ۶ شوال ۱۲۳۳ھ ہے۔ (۶)

ان کی متعدد تصانیف میں مقدمة العلم ، رسالہ عروض ، کتاب التکمیل ، رسالہ دفع الباطل ، اسرار المحبة ، رسالہ تاریخ ، تکمیل الصناعة ، حاشیہ میر زاہد ، رسالہ اثبات شق القمر وابطال البراہین الحکمة وغیرہ ہیں، سیرت نبویؐ کے موضوع سے متعلق میلاد النبیؐ ہے۔ (۷)

شیخ محمد غوث مدراسی (م ۱۲۳۸ھ): شیخ محمد غوث بن ناصر الدین شافعی مدراسی مشہور فقیہ ۱۱۶۸ھ میں مدراس کے جوار آرکاٹ کے ایک مقام محمد پور میں پیدا ہوئے۔

انہوں نے تعلیم کی ابتدا اپنے دادا نظام الدین سے کی، ان کے انتقال کے بعد رام ناتھ نامی مقام پر مولانا امین الدین صدیقی الوری سے درسی کتابوں کی تکمیل کی، مدراس لوٹ کر ملک العلماء مولانا عبد العلی بن نظام الدین لکھنوی سے فاتحہ الفراغ پڑھی، تکمیل تعلیم کے بعد امیر الامراء

ابن والا جاہ کے صاحب زادہ عظیم الدولہ کے استاد مقرر ہوئے، والد کے بعد ان کی جگہ عہدہ قضا پر فائز ہوئے، ۱۲۱۳ھ میں سبک دوشی کے بعد حیدر آباد چلے گئے، عظیم الدولہ حکمران ہوا تو ۱۲۱۶ھ میں واپس بلا کر وزارت کے عہدہ پر فائز کیا اور شرف الدولہ، شرف الملک اور غالب جنگ وغیرہ القاب سے بھی نوازا، مگر ۱۲۲۳ھ میں دوبارہ معزول کر دیے گئے، ۱۲۳۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۸)

شیخ محمد غوث نے اپنی تمام درسی و سیاسی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف سے بھی رشتہ قائم رکھا اور مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں جو عربی، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں پر مشتمل ہیں۔ ان کی فارسی کتابیں یہ ہیں: انہار المفارخ فی مناقب السید عبدالقادر، سبائیم الازہار، ہدایۃ الغوی ای المنج السوی فی طب النبوی، خواص الحیوان، رشحات الاعجاز، الفتاویٰ الناصریہ فی فقہ الحنفی، زبدۃ العقائد وغیرہ، ہندی زبان میں بھی فقہ حنفی کے موضوع پر ان کا ایک رسالہ ہے، ان کی بعض عربی تصانیف یہ ہیں: بسط الیدین لاکرام الابوین، کفایۃ المبتدی فی فقہ الشافعی، نثر المرجان فی رسم نظم القرآن (دو جلدیں)، الفوائد الصبغیۃ فی شرح الفرائض السراجیۃ، سواطع الانوار فی معرفۃ اوقات الصلاة والاسحار، زواجر الارشاد الی اہل دار الجہاد، تعلیقات علی شرح قطر الندی، تعلیقات علی الکافی (نصف آخر)، ان کے علاوہ سیرت نبویؐ کے موضوع سے متعلق قصیدہ بانٹ سعادت کی ایک شرح ”النجم الوقاد“ کے نام سے ہے۔ (۹)

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ): سراج الہند شاہ عبدالعزیز شاہ ولی اللہ دہلوی کے صاحب زادے ہیں، وہ مفسر و محدث اور ممتاز عالم تھے، ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے، پندرہ برس کی عمر میں اپنے والد شاہ ولی اللہ دہلوی سے تمام علوم کی تکمیل کر لی تھی، بعض کتب احادیث کی سند شاہ صاحب کے شاگرد شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ امین اللہ کشمیری سے حاصل کی، علم فقہ کا حصول اپنے خسر مولوی نور اللہ سے کیا، شاہ ولی اللہ کے انتقال کے بعد صرف سترہ برس کی عمر میں درس و تدریس اور افادہ علم کی ذمہ داری سنبھالی۔

سراج الہند شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب علم و قلم و زہد و ورع و تقویٰ تھے، یہ اور ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین علم و عمل کے انتہائی درجہ پر فائز تھے، دور دراز سے طالبان علم ان کی

خدمت میں حاضر ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے اور اپنے علاقہ میں جا کر اشاعت دین کرتے ، انہوں نے اپنی تمام عمر درس و تدریس ، افتاء و فصل خصوصیات ، وعظ و پند اور تلامذہ کی تربیت و تہذیب میں صرف کردی ، نجف خاں کی سخت گیری کے بھی شکار ہوئے ، دیگر تکالیف کے ساتھ شہر بدر بھی کیے گئے ، مگر اصلاح و تبلیغ کا کام ترک نہیں کیا اور ہر حال میں شاکر و صابر رہ کر اپنی دینی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے ، ہندوستان میں علم حدیث اور فقہ حنفی کی خدمت جیسی اس خاندان نے کی ہے شاید ہی کسی اور نے کی ہو ، ۱۲۳۹ھ میں دہلی میں انتقال ہوا اور ترکمان گیٹ کے پاس مدفون ہوئے۔ (۱۰)

ان کی تصنیفی یادگاروں میں: سر الشہادتین ، بستان المحدثین ، تحفہ اثنا عشر ، فتح العزیز (سورہ بقرہ اور آخری دو پاروں کی تفسیر) ، عزیز الاقتباس ، وسیلہ نجات ، تحقیق الرویا ، سیر الجلیل ، رسالہ بلاغت ، فتاویٰ کثیرہ اور تنویر العینین وغیرہ ہیں ، الثقافة الاسلامیہ فی الہند میں ان کے ایک رسالہ ”مختصر فی المعراج“ کا ذکر ملتا ہے (۱۱) ، اس کے علاوہ ذہبہ الخواطر میں نبی کریمؐ کی شان میں ان کے مدحیہ اشعار بھی درج ہیں۔

الا یا عاذلی دم فی ملامی فانی لا حول عن الغرام
فجفنی ساهر ما دمت حیا وقلبی هائم والدمع هامی
فیاریح الصبا عطفاً ورفقاً الی ذاك الحمی بلغ سلامی
وقل یا اهل و دی فی هواکم مضی شہری وایامی و عامی الخ (۱۲)
مفتی الہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ): مفتی الہی بخش بن شیخ الاسلام حنفی صدیقی کاندھلہ میں ۱۱۶۲ھ کو پیدا ہوئے ، ان کا سلسلہ نسب فخر الدین رازی کے توسط سے خلیفہ اول امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔

پرورش ان کے نانا محمد مدرس کاندھلوی نے کی ، ابتدائی تعلیم والد محترم سے حاصل کرنے کے بعد دہلی میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کیا اور ان ہی سے بیعت بھی ہوئے ، بعد میں علم طب کے لیے اپنے والد اور دادا کی خدمت میں رہے ، تکمیل کے بعد ضابطہ خاں کے عہد میں عہدہ قضا پر فائز ہوئے ، ضابطہ خاں کے انتقال کے بعد کچھ دنوں

تک بھوپال میں بھی اسی عہدہ پر فائز رہے، مگر جلد ہی کاندھلہ لوٹ آئے اور شیخ کمال الدین کاندھلوی اور امام احمد بن عرفان شہید بریلوی کی خدمت میں رہ کر طریقت و سلوک کے رموز سے آشنا ہوئے اور ساتھ میں تحریری عمل بھی جاری رکھا، خدمت خلق اور افادہ علم میں مشغول رہتے ہوئے ۱۲۴۵ھ کو وفات پائی۔ (۱۳)

ان کی تصانیف میں الملہمات الاحمدیہ، جوامع الکلم، تکملہ المثنوی المعنوی، رسالہ فی اسانید الحدیث، صلوٰۃ المنام لرویۃ النبی، شرح مسلم الثبوت، رسالہ فی احوال البدر، حاشیہ علی میر زاہد ہیں اور سیرت نبویؐ کے موضوع پر شمیم الحبيب ہے۔

شمیم الحبيب بھوپال میں ۱۲۰۹ھ میں مکمل ہوئی، اس میں نبی کریمؐ کے عادات و اطوار، آپؐ کے اخلاق، معاشرت، لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ وغیرہ درج ہیں، اخیر میں آپؐ کی خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں، اس کی ایک شرح عمدۃ اللیب کے نام سے ہے جو شیخ نیاز محمد بن موج خاں میواتی نے لکھی ہے ۲۰۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مدرسہ قاسم العلوم گوڑگاؤں ہریانہ کے شعبہ نشر و اشاعت نے نعمانی پریس دہلی سے شائع کی ہے۔ (۱۴)

مفتی الہی بخش کاندھلوی کی شمیم الحبيب کے علاوہ خصائص النبیؐ (بہ زبان عربی) اور قصیدہ بانٹ سعاد کی شرح عربی و فارسی دونوں زبانوں میں منظوم مع ترجمہ ہیں، ان کی ایک کتاب فارسی زبان میں بھی سیرت نبویؐ کے موضوع پر کتاب المحافل کے نام سے ہے۔

قاضی ارتضا خان گوپا منوی (م ۱۲۵۱ھ): قاضی ارتضا علی خاں بن مصطفیٰ علی خاں ۱۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مولوی حیدر علی سندیلوی سے حاصل کرنے کے بعد ادب کی تعلیم کے لیے مولوی محمد ابراہیم بلگرامی کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کیا، ان کے والد مدرس میں عہدہ قضا پر فائز تھے، ۱۲۲۵ھ میں والد کے پاس چلے گئے اور والد کے انتقال کے بعد قضاء کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی، اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی ادا کرتے ہوئے تصنیف و تالیف سے بھی رشتہ قائم رکھا اور متعدد کتابیں یادگار چھوڑی، ۱۲۵۱ھ کو وفات پائی۔ (۱۵)

قاضی ارتضا علی خاں کی تصانیف میں نفائس ارتضائیہ، نقود الحساب،

رسالہ فرائض ، قصیدہ بردہ کی شرح وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان کتابوں کے علاوہ تنبیہ الغفول فی اثبات اسلام آباء الرسول کے نام سے فارسی زبان میں ان کی ایک کتاب ہے جس کا ان کے کسی شاگرد نے اسی نام سے عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے مگر کتاب میں مترجم کا نام موجود نہیں۔ (۱۶)

مولانا عبدالقادر رام پوری (م ۱۲۶۵ھ): مولانا عبدالقادر بن محمد اکرم بن اسلم دہلوی رام پور میں ۱۱۹۷ھ کو پیدا ہوئے، وہ فنون ریاضیہ کے ممتاز عالم تھے۔

انہوں نے مفتی شرف الدین اور دیگر علماء سے کسب فیض اور تکمیل تعلیم کی اور اس کے بعد سہارن پور میں عہدہ صدارت پر فائز ہوئے، دہلی، اجمیر اور راج پوتانہ کی ریاستوں میں بھی ملازمت کی، قلعہ معلیٰ دہلی سے بھی کچھ دنوں تک بسلسلہ ملازمت تعلق رہا، نواب محمد سعید خاں کے توسط سے مفتی عدالت کی خدمت بھی انجام دی، ساتھ ہی تحریری مشغلہ بھی جاری رکھا، ۱۲۶۵ھ میں رام پور میں وفات پائی۔ (۱۷)

مولانا عبدالقادر کی متعدد تصانیف میں کتاب فی تاریخ اجمیر و مارواڑ، شرح العقیدہ ، شرح میزان البلاغۃ ، رسالہ فی حقیقۃ الدعاء والاجابۃ ، رسالہ فی فضل الصوم ، تعلیقات جامع البرکات (للشیخ عبد الحق) شرح الحکم المرتضویۃ ، کتاب فی سہو اقلام العلماء ، ترجمہ حسن العقیدۃ (للشیخ ولی اللہ محدث) ، کتاب فی رموز اسماء اصنام الہناد اور شرح شمائل ترمذی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد علی لکھنوی (م ۱۲۶۷ھ): مولانا محمد علی بن عبدالعزیز لکھنوی ایک مشہور عالم و محدث تھے، یہ قاضی حبیب اللہ عثمانی گورکھپوری کے خاندان سے تھے۔

مولانا محمد علی لکھنوی میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی، لکھنؤ ہی میں مولانا مرزا حسن محدث سے کسب فیض کے بعد وہیں پر تدریسی خدمت میں مصروف ہو گئے، ان سے فیض حاصل کرنے والوں میں عبدالعزیز بن احمد کشمیری اور عبدالغفار بن عالم علی کان پوری وغیرہ ہیں، ۱۲۶۷ھ کو لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔

سیرت نبویؐ میں ان کی ایک تصنیف نور العینین فی اخبار سید الکونین کا پتہ

چلتا ہے۔ (۱۸)

مولانا عبداللہ مدراسی (م ۱۲۶۷ھ): مولانا عبداللہ بن عبدالقادر مدراسی ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے، مولانا عبدالعلی بن نظام الدین لکھنوی، مولانا محمد حسین مدراسی اور مشہور عالم و محدث شیخ محمد غوث شافعی وغیرہ سے استفادہ کیا، امیر مدراس نے انہیں فوج کا قائد مقرر کیا اور خان بہادر سالار جنگ کے خطاب سے بھی نوازا، طویل مدت تک اس عہدہ پر قائم رہے، علمی مشاغل میں بھی دلچسپی لیتے رہے اور تصنیف و تالیف کا شوق بھی پورا کرتے رہے، متعدد تحریری یادگاریں چھوڑیں، ۱۲۶۷ھ کو مدراس میں انتقال ہوا (۱۹)، ان کی نماز جنازہ نواب محمد غوث مدراسی نے پڑھائی۔

الدر الثمین شرح الاربعین کے علاوہ ایک کتاب صحیح مسلم کے رجال کے بیان میں ہے اور سیرت مصطفیٰ کے موضوع سے متعلق ایک کتاب شرح اسماء النبی کے نام سے بھی ملتی ہے۔

مولوی جان محمد لاہوری (م ۱۲۶۸ھ): مولوی جان محمد لاہور کے ممتاز عالم اور بزرگ تھے، یہ ۱۱۹۳ھ میں پیدا ہوئے، تکمیل تعلیم کے بعد درس و تدریس اور افادہ علم کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا، دور دراز سے طلباء کسب فیض کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان سے فیض یاب ہونے والوں میں مولوی محمد عالم کھوڑی، مولوی محمد کرامت اللہ، مولوی غلام محمد ملتانی اور مولوی فخر الدین وغیرہ ہیں، ۱۲۶۸ھ میں خدمت خلق اور افادہ علم میں مصروف لاہور میں وفات پائی۔ (۲۰)

مولوی جان محمد کی علمی یادگاروں میں زبدۃ التفاسیر والتذکیر، رسالہ اثبات خلافت معاویہ، رسالہ عقائد حنفیہ، رسالہ رد روافض، شرح قصیدہ امالی، رسالہ عدم فرضیت جمعہ اور معراج نامہ و شرح قصیدہ بردہ وغیرہ ہیں۔

مولانا ولی اللہ لکھنوی (م ۱۲۷۰ھ): مولانا ولی اللہ بن حبیب اللہ انصاری لکھنؤ میں پیدا ہوئے، وہیں پروان چڑھے، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی، اس کے بعد اپنے چچا ملا محمد یوسف سے تکمیل علوم کے بعد تدریس میں مصروف ہوئے، قدیم شاعری اور کتب علمائے سلف کے مطالعہ کا بھی شوق تھا جو تدریسی اشتغال کے ساتھ یہ سلسلہ برابر جاری رہا، وہ لکھنؤ کے ممتاز علماء میں شمار کیے جاتے تھے، ان سے فائدہ اٹھانے والے طلبہ نے بھی ان کا نام خوب روشن کیا۔

مولانا ولی اللہ لکھنوی علوم عقلیہ اور نقلیہ دونوں ہی کے جامع تھے، مختلف موضوعات پر کتابوں کے علاوہ متعدد مشہور کتابوں کی شرحیں بھی لکھیں، ۸۸ سال کی عمر میں ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ (۲۱)

ان کی تصانیف تفسیر، اصول فقہ، حکمت، کلام، تاریخ اور سیر وغیرہ موضوعات پر مشتمل ہیں، ان میں معدن الجواهر (تفسیر)، نفائس الملکوت شرح مسلم الثبوت (اصول فقہ)، ہدایۃ الفقہ اور عروۃ الوثقی پر حواشی (کلام)، شرح ہدایۃ الحکمة پر حاشیہ (حکمت)، تکملہ شرح السلم، شرح غایۃ العلوم و معارج الفہوم، رسالہ فی مبحث التشکیک، مرآۃ المومنین ہیں، تنبیہ الغافلین فی مناقب آل سید المرسلین اور کشف الاسرار فی خصائص سید الابرار سیرت پاک سے متعلق ہیں۔

شیخ علی سجاد پھلواری (م ۱۲۷۱ھ): شیخ علی سجاد بن نعمۃ اللہ جعفری پھلواری ۱۱۹۹ھ میں پیدا ہوئے، مولانا احمدی سے درسی کتابیں پڑھنے اور تکمیل کے بعد اپنے والد کی خدمت میں رہ کر طریقت و سلوک کے منازل طے کیے، اس کے بعد درس و تدریس اور دیگر علمی مشاغل کی طرف متوجہ ہوئے، ۱۲۷۱ھ میں وفات پائی۔

ان کی تصانیف میں ایک رسالہ فقہ حنفی کے موضوع پر اور فارسی اشعار کا دیوان ہے سیرت پاک کے موضوع سے متعلق دو رسالے فضائل النبی اور فی الصلاة علی النبی کا ذکر ملتا ہے۔

مولانا ظہور علی لکھنوی (م ۱۲۷۵ھ): مولانا ظہور علی بن حیدر انصاری فقہ و اصول کے ممتاز عالم تھے لکھنؤ میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی۔

انہوں نے اپنے والد کے علاوہ مفتی ظہور اللہ لکھنوی سے تحصیل علم کیا، جوانی میں حفظ قرآن کا شرف حاصل کیا، ایک عرصہ تک لکھنؤ میں مسند درس و تدریس پر جلوہ افروز رہے، مگر والد کے انتقال کے بعد ۱۲۵۴ھ میں مستقل طور پر حیدرآباد منتقل ہو گئے، وہیں ۱۲۷۵ھ میں وفات پائی۔ (۲۲)

درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا اشتغال بھی جاری رکھا ان کی کئی کتابیں ہیں

جن میں تفسیر القرآن الکریم، الطریقة الوسطی فی سماع الموتی، شرح خطبہ شرح السلم للقاضی قابل ذکر ہیں ایک رسالہ حدیث المعراج کے نام سے ہے یہ مولانا

آزاد لائبریری علی گڑھ کے عبدالحی کلکشن میں موجود ہے، جس کی کتابت ۱۲۷۹ھ میں ہوئی ہے، غالباً اسی کو الثقافة الاسلامیہ فی الہند میں ”مختصر فی المعراج“ کہا گیا ہے۔ (۲۳)

سید ہادی بن مہدی لکھنوی (م ۱۲۷۵ھ): سید ہادی بن مہدی حسین نقوی شیعہ لکھنوی ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے، بچپن میں ہی ان کے باپ اور دادا کا انتقال ہو گیا، لہذا پرورش چچا سید حسین کے ہاتھوں ہوئی۔

ان ہی سید حسین اور دوسرے چچا محمد بن دلدار سے تعلیم حاصل کی، ذکاوت اور علم و ادراک میں قابل تعریف تھے، تکمیل تعلیم کے بعد تدریسی خدمت سے منسلک ہو گئے، ان کو عیسائیوں سے مناظرہ کرنے میں بڑی مہارت اور شہرت حاصل تھی، جسے ان کے معاندین و مخالفین بھی تسلیم کرتے تھے، درس و مناظرہ کے ساتھ تحریری اشتغال بھی جاری رکھا کئی کتابیں ان کے نام ہیں، ۱۲۷۵ھ میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ (۲۴)

سید ہادی کی قابل ذکر کتابوں میں تمحیص الحق، رسالہ فی کیفیۃ الصلاة، تعلیقات علی الحبل المتین ہیں سیرت نبوی کے موضوع پر اثبات النبوة ہے، جس میں نبی کریم کی نبوت کا اثبات انبیائے سابقین کی بشارتوں کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

عبدالحکیم گجراتی (م ۱۲۷۵ھ): شیخ عبدالحکیم بن عبد الوہاب عباسی سورتی گجراتی مشہور خطاط اور علوم حکمت کے ممتاز عالم تھے، وہ سورت میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔

انہوں نے تفسیر وحدیث اور فقہ و اصول کی تعلیم شیخ غلام علی سورتی اور منطق و کلام اور فنون ریاضیہ کی تعلیم شیخ محمد سعید پیشاوری سے حاصل کی، فن خطاطی حکیم اکمل خاں بریلوی سے سیکھا، ملا محمد فیاض کابلی سے بھی کسب فیض کیا، تعلیم کے بعد تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے اور علم نجوم، کلام اور توارخ وغیرہ کے موضوعات پر متعدد کتابیں تحریر کی، ۱۲۷۵ھ میں انتقال ہوا۔ (۲۵)

شیخ عبدالحکیم کی تصانیف میں مناظر النجوم، کلمۃ الحق، نفائس الکلام، تذکرۃ الصالحین، رسالہ اثبات شق القمر اور رسالہ اثبات المعجزہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا کرامت علی دہلوی (م ۱۲۷۷ھ): مولانا کرامت علی بن حیاة علی اسراہیلی دہلوی محدث، صاحب السیرۃ اور جید عالم تھے، یہ دہلی میں پیدا ہوئے، یہیں پر پرورش اور تعلیم و تعلم ہوئی، مسلکاً

شافعی تھے۔

تکمیل تعلیم کے بعد دہلی میں ہی تدریسی خدمت کی ابتداء کی، کچھ دنوں بعد حیدرآباد گئے، وہاں عہدہ قضا پر فائز ہوئے اور بیس سال تک اس عہدہ پر متمکن رہے، ۱۲۷۷ھ کو حیدرآباد میں انتقال ہوا۔ (۲۶)

مولانا کرامت علی کے اساتذہ و شیوخ میں شیخ رفیع الدین بن ولی اللہ دہلوی، شیخ فضل امام بن محمد ارشد خیر آبادی اور شیخ اسماعیل بن عبدالغنی دہلوی وغیرہ ہیں، انہوں نے شیخ عبدالعزیز دہلوی کے پوتے شیخ اسحاق بن محمد افضل سے بھی کچھ روایات ہیں۔

تصنیفات میں السیرۃ المحمدیۃ والطریقۃ الاحمدیۃ سب سے اہم اور قابل قدر ہے، یہ بڑے سائز کی تقطیع میں ہونے کے باوجود کافی ضخیم ہے، ۵۸۸ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۸۵۷ء سے پہلے کی ہے، نظام حیدرآباد کی سرپرستی میں لکھی گئی اس کتاب میں مصنف نے روایات و واقعات کو جانچنے اور پرکھنے میں بڑی جدوجہد سے کام لیا ہے، یہ کتاب دراصل سیرۃ حلبیہ کی تلخیص ہے، ۱۲۷۰ھ میں ممبئی سے شائع ہوئی، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہے (۲۷)، مولوی کرامت علی کی ذیل السیرۃ کے نام سے ایک اور کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ ہے۔ (۲۸)

قاضی صبغۃ اللہ مدراسی (م ۱۲۸۰ھ): قاضی صبغۃ اللہ بن محمد غوث شافعی مدراس میں ۱۲۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔

انہوں نے حفظ قرآن کے بعد علامہ عبدالعلی بن نظام الدین لکھنوی سے تبرکاً میزان الصرف کے ایک دو اسباق پڑھے، بقیہ علوم مختلف اساتذہ سے حاصل کیے جیسے نحو و صرف مولانا جعفر حسین مدراسی سے، منطق، حکمت اور ریاضی کے بعض فنون اپنے والد سے، مسلم الثبوت، ہدایہ، حاشیہ میرزا اہد اور طب کی کتاب نفیسی شیخ علاء الدین لکھنوی اور سید علی بن عبداللہ حموی سے اور فن تجوید کی کتاب مقدمۃ الجزری وغیرہ کے بعد سید عبدالغفور نقشبندی سے طریقت و سلوک حاصل کیا، تکمیل تعلیم کے بعد ۱۲۳۸ھ میں ناگور میں صدر کا عہدہ ان کو تفویض کیا گیا، ۱۲۶۰ھ میں عہدہ قضا پر فائز ہوئے، چھ سال بعد زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، واپس آ کر

اپنے گھر پر خدمت خلق کی غرض سے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوئے، ۱۲۸۰ھ میں وفات پائی۔ (۲۹)

قاضی صبغة اللہ کی تصانیف مختلف موضوعات پر محیط ہیں، ان میں ہدایۃ السالک، نور العینین، رشت السہام، عمدۃ الرائض اور مناجیح الرشاد وغیرہ ہیں، ان کے علاوہ ہمارے موضوع سیرت نبویؐ سے تعلق رکھنے والی ان کی چار کتابیں ہیں، الاربعین فی معجزات سید المرسلین، المطالعة البدریۃ فی شرح الکواکب، رسالہ صغریٰ فی السیر والمناقب اور رسالہ کبریٰ فی السیر والمناقب۔ اول الذکر کتاب میں معجزات نبویؐ سے متعلق ۱۳۶ احادیث کی تشریح کر پائے تھے کہ انتقال ہو گیا، بعد میں ان کے صاحب زادے محمد سعید نے اس کی تکمیل کی، مدرسہ محمدیہ مدراس میں یہ کتاب موجود ہے، المطالعة البدریۃ بوضری کے قصیدہ بردہ کی نامکمل شرح ہے، رسالہ صغریٰ میں نبی کریمؐ، آپؐ کی ازواج و اولاد، خلفائے راشدینؓ اور ائمہ اثنا عشرہؑ کی تاریخ ہائے وفات کی تحقیق ہے، رسالہ ۶ فصلوں میں منقسم ۶۶ صفحات پر مشتمل ہے، یہ اعظم شاہ کی درخواست پر لکھی گئی، رسالہ کبریٰ میں مذکورہ بالا موضوعات پر تفصیلی بحث ہے، یہ ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۲۳۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی۔ (۳۰)

سید علی کبیر الہ آبادی (م ۱۲۸۵ھ): سید علی کبیر بن علی جعفر حسینی الہ آبادی ایک ممتاز عالم تھے، الہ آباد میں ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔

سید نور الحسن سے ابتدائی تعلیم کے بعد متعدد اساتذہ سے شرح ہدایۃ الحکمت، شرح عقائد النسخی، تحریر الاقلیدس، سلم العلوم، شرح السلم، میرزا ہد ملا جان اور منطق و فرائض کی دیگر کتابیں پڑھ کر تعلیم کی تکمیل کی، ان کے اساتذہ میں سید نور الحسن کے علاوہ شیخ رضی الدین الہ آبادی، مولانا نصیر الدین، مولانا برہان الدین، مولانا محمد حنیف ولایتی اور مولانا روح الفیاض وغیرہ ہیں، اپنے والد اور سیدادریس مغربی سے سند حدیث لینے کے بعد درس و تدریس کی طرف متوجہ ہوئے، تصنیفی و تالیفی مشغلہ سے بھی تعلق قائم رکھا اور متعدد کتابیں لکھیں، ۱۲۸۵ھ میں وفات پائی۔ (۳۱)

سید علی کبیر کی تصانیف میں تحفۃ الکبیر فی مناقب الخلفاء واصحاب الطہیر، اتحاف ارباب الحیاء لا رواح الاموات، الاربعین فی مناقب الخلفاء الراشدین، غایۃ المطالب فی بحث ایمان

ابی طالب، اظہار السعادة شرح اسرار الشهادة، مطلوب الطالبین فی اسماء رجال الاربعین ہیں، سیرت پاک کے موضوع پر ضیاء القلوب فی سیر المحبوب ہے۔

مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی (م ۱۲۸۵ھ): مولوی عبدالحلیم بن مولوی امین اللہ فرنگی محلی لکھنؤ کے منطق و کلام اور فقہ کے ممتاز عالم تھے، لکھنؤ میں ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔

دس سال کی عمر میں حفظ قرآن کریم کے بعد تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے والد کے علاوہ مفتی ظہور اللہ، مفتی محمد اصغر، مولوی نعمت اللہ اور مفتی محمد یوسف فرنگی محلی وغیرہ سے درسی کتابیں پڑھیں، مختلف علوم و فنون میں مہارت کے بعد تدریسی خدمت میں مصروف ہوئے، ان کی شہرت کی وجہ سے ۱۲۶۰ھ میں نواب ذوالفقار الدولہ نے باندہ بلا کر عزت و اکرام کے ساتھ اپنے مدرسہ میں استاد مقرر کیا، بعد میں لکھنؤ، جون پور اور حیدرآباد کے مدارس میں بھی رہے، مولوی عبدالوالی قادری سے بیعت ہوئے، ۱۲۷۹ھ میں حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے، وہاں مولانا محمد جمال حنفی اور مولانا احمد بن زینی شافعی سے حدیث اور دیگر علوم حاصل کیے، ۱۲۸۰ھ میں زیارت روضہ اقدس سے شرف یابی کے بعد وہاں کے علماء و فضلاء جیسے مولانا محمد علی مدنی، مولانا محمد بن محمد، مولانا شاہ عبدالغنی بن مولانا شاہ ابوسعید مجدد دہلوی وغیرہ سے حدیث و تفسیر کی سند و اجازت حاصل کی، مولوی عبدالرشید بن مولانا شاہ احمد سعید مجدد دہلوی سے قصیدہ بردہ اور حزب البحر کی اجازت لے کر حیدرآباد میں قضا کے عہدہ پر فائز ہوئے اور تاحیات اسی خدمت پر مامور رہے، ۱۲۸۵ھ میں سل و دق کے عارضہ میں انتقال ہوا۔ (۳۲)

مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی منطق و کلام اور فقہ و اصول اور حدیث کے ممتاز عالم تھے، تدریس و تصنیف دونوں میں نمایاں رہے، ان کی پچیس کتابوں کے نام گنائے گئے ہیں، جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں، جیسے تحقیقات المرضیہ، کشف الاشتباہ فی شرح السلم بجمہ اللہ، البیان العجیب فی شرح ضابطہ التہذیب، کاشف الظلمۃ فی اقسام الحکمۃ، نظم الدرر فی مسلک شق القمر، عمدۃ التحریر فی مسائل اللون واللباس الحریر، حاشیہ نفیسی شرح موجز، الاقوال الاربعۃ وغیرہ اور خاص سیرت پاک کے موضوع پر نور الایمان فی آثار حبیب الرحمن ہے۔

مولانا عبد اللہ مدراسی (م ۱۲۸۸ھ): شیخ عبد اللہ بن صبغۃ اللہ بن غوث شافعی مدراسی فقہ و

حدیث کے ممتاز عالم تھے، ۱۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔

انہوں نے تعلیم کی ابتدا اپنے والد محترم سے کی، ان کے علاوہ اپنے چچا اور قاضی ارتضا گوپا منوی سے استفادہ کیا، ۱۲۶۰ھ میں مدراس میں عہدہ صدارت پر فائز ہوئے، اس عرصہ میں متعدد کتابیں لکھیں، چار مرتبہ حج کے لیے حرمین شریفین گئے، ۱۲۸۸ھ میں مکہ المکرمہ سے واپسی میں گل برگہ میں وفات پائی۔ (۳۳)

ان کی متعدد تصانیف میں سیرت نبویؐ کے موضوع پر ایک مولودنامہ تحفة المحبین لمولد حبیب رب العالمین ہے دیگر کتابوں میں فقہ شافعی میں الفوائد الغوثیہ، تخریج احادیث بیضاوی، تحفة الاحبة فی بیان استحباب قتل الوزغة، تعلیقات علی مختصر ابی شجاع، کتاب الزجر الی منکر شق القمر اور اوضح المناسک وغیرہ ہیں۔

مولانا قطب الدین دہلوی (م ۱۲۸۹ھ): مولانا قطب الدین بن محی الدین حنفی دہلوی حدیث وفقہ کے ماہر عالم تھے، ۱۲۱۹ھ میں پیدا ہوئے، فقہ اور حدیث کی تعلیم شیخ اسحاق بن افضل عمری دہلوی سے حاصل کی، دیگر علماء سے بھی فیض حاصل کیا، متعدد بار حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔

وہ متشدد حنفی تھے، زاہد ومتقی تھے، فقہی مسائل اور احادیث کے باب میں بڑا درک اور استحضار تھا، دہلی میں عمر کا بڑا حصہ گزارا، ۱۲۸۹ھ میں مکہ المکرمہ میں انتقال ہوا۔ (۳۴)

خاص سیرت نبویؐ کے موضوع پر ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے مگر انہوں نے الطب النبویؐ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، دیگر کتابوں میں مظاہر الحق، الظفر الجلیل، جامع التفسیر، معدن الجواهر، آداب الصالحین، توقیر الحق اور تنویر الحق وغیرہ ہیں۔

سید نصیر الدین برہان پوری (م ۱۲۹۲ھ): محدث وفقہ مولوی سید نصیر الدین بن جلال الدین برہان پوری نے علوم نقلیہ کی تعلیم والد سے حاصل کی، بعد میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں ساری زندگی بسر کی، ۱۲۹۲ھ میں انتقال ہوا۔

ان کی کتاب ذریعة الاستشفاع فی سیر سید المطاع ہمارے موضوع سے متعلق ہے، اس کے علاوہ کتابوں کے نام یہ ہیں، مستوفی الحقوق فی ذم العقوق، روضة

الریحان فی فضائل رمضان ، صاعقة الراية على الفرقة الوهابية الكذابية ، برهان الهدى فی تفسیر الرحمن علی العرش الاستوی ، لباب النقائح اور ساطع الانوار من کلام سید الابرار۔ (۳۵)

مولوی عالم علی مراد آبادی (م ۱۲۹۵ھ): مولوی عالم علی بن کفایت علی مراد آبادی ممتاز عالم، حافظ، طبیب اور قاری تھے، بجنور کے تھے مگر مستقل مسکن مراد آباد رہا۔

مولوی عالم علی بعد کے اساتذہ میں مولوی فرید الدین سہارن پوری، ملا غفران رام پوری، حافظ شیرانی رام پوری، مولوی محمد مفتی شرف الدین، مولانا مملوک علی نانوتوی، حکیم نصر اللہ خاں، حکیم غلام حیدر خاں دہلوی، مولوی نوازش علی ٹکینوی اور مولوی تہور علی جیسے اہم نام شامل ہیں، شیخ اسحاق بن افضل عمری سے حدیث میں سند حاصل کرنے کے بعد طب بھی سیکھا، مراد آباد میں سکونت اختیار کر کے درس اور تصنیف و تالیف سے تعلق جاری رکھا، ۶۷ سال کی عمر میں ۱۲۹۵ھ میں وہیں انتقال ہوا۔ (۳۶)

کتابوں میں رسالہ فضائل صیام ، رسالہ قرأت ضاد معجمہ ، رسالہ تعدد جمعه ، شرح ضابطہ ، شرح تہذیب یزدی ہیں اور ایک رسالہ فضائل رسول مقبول کے موضوع پر ہے۔

شیخ عبداللہ الہ آبادی: مولانا عبداللہ صدیقی محمدی محدث منو (الہ آباد) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی میں مولانا اسحاق بن افضل عمری کی خدمت میں رہ کر حدیث و فقہ میں مہارت حاصل کی اور درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔

وہ معاملات میں بڑے تشدد تھے، بدعات و منکرات کے رد میں ہمیشہ کوشاں رہے، تدریس پر کم اور تصنیف و تالیف کو زیادہ توجہ دی، جس کی وجہ سے ان کی تصنیفات کی تعداد زیادہ ہے۔ ان میں العروة الوثقی لمنبع سنة سید الوری ، عمدة الصلاة و فائز النجاة ، اعتصام بالسنة و قاصد البدعة ، النبراس المنیر لصلاة الدیاجیر ، الیم الزغرب فی لغات الحدیث المنتخب ، معین الابرار علی الصلاة فی اللیل والنهار ، الرياض الانضر فی الفقہ الاکبر وغیرہ ہیں اور سیرت کے موضوع پر ایک کتاب الاعجاز المتین فی معجزات سید المرسلین ہے۔ (۳۷)

مولوی ابو محمد قلندر علی زبیدی: مولوی ابو محمد قلندر علی زبیدی پانی پتی کے حالات زندگی دستیاب نہ ہو سکے، البتہ ان کا ایک رسالہ نور العین فی ذکر مولد النبی و شہادۃ الحسین کے نام سے رضا لاہوری رام پور میں موجود ہے، یہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ۱۲۸۱ھ میں مطبع ناصری سے طبع ہوا، بین السطور اردو ترجمہ بھی ہے۔

اس مضمون میں محض تیرہویں صدی ہجری کے عربی زبان کے سیرت نگاران ہند کے مختصر احوال پیش کیے گئے ہیں، انشاء اللہ آئندہ بعد کی کوششوں کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔

حواشی

- (۱) تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۲۴۔ (۲) حدائق الحنفیہ، ص ۴۶۰۔ (۳) نزہۃ الخواطر ۵۲۸/۷، تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۵۲۔ (۴) حدائق الحنفیہ، ص ۴۶۱۔ (۵) نزہۃ الخواطر ۵۵/۷۔ (۶) تراجم علمائے حدیث ہند، ص ۶۵ اور تذکرہ علمائے ہند، ص ۶۶ میں ان کی تاریخ وفات ۱۲۴۹ھ درج ہے مگر ان کی لوح مزار پر ۶/ شوال ۱۲۳۳ھ درج ہے اور حدائق الحنفیہ میں ۱۲۳۸ھ درج ہے، ص ۴۷۰۔ (۷) اس کتاب کا ذکر رحمن علی کی کتاب تذکرہ علمائے ہند کے اردو ترجمہ میں موجود ہے، ص ۱۹۶۔ (۸) محمد یوسف کوکن، عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک، ص ۳۱۵، مدراس ۱۹۷۷ء۔ (۹) عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک، ص ۳۱۵۔ (۱۰) تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۲۲، نزہۃ الخواطر ۲۶۸/۷، حدائق الحنفیہ، ص ۴۷۰۔ (۱۱) سید عبدالحی، الثقافة الاسلامیہ فی الہند، ص ۹۰، مطبع المجمع العلمی العربی، دمشق، ۱۹۵۸ء۔ (۱۲) نزہۃ الخواطر ۲۷۵/۷۔ (۱۳) شیخ نیاز محمد میواتی، عمدۃ اللیب، نعمانی پریس دہلی۔ (۱۴) یہ شرح دارالمصنفین میں موجود ہے۔ (۱۵) تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۱۔ (۱۶) یہ ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری صاحب استاد شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔ (۱۷) تذکرہ علمائے ہند، ص ۵۸۰۔ (۱۸) نزہۃ الخواطر ۴۵۲/۷۔ (۱۹) نزہۃ الخواطر ۳۰۲/۷۔ (۲۰) حدائق الحنفیہ، ص ۴۷۵۔ (۲۱) خیر الدین زرکلی، الاعلام ۱۳۷/۹، تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۵۲۔ (۲۲) نزہۃ الخواطر ۲۲۶/۷۔ (۲۳) الثقافة الاسلامیہ فی الہند، ص ۹۱۔ (۲۴) نزہۃ الخواطر ۵۳۰/۷۔ (۲۵) نزہۃ الخواطر ۲۴۶/۷۔ (۲۶) نزہۃ الخواطر ۳۹۵/۷، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۱۸۶، ۳۹۳۔ (۲۷) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۳۹۳۔ (۲۸) ایضاً۔ (۲۹) عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک، ص ۴۹۷، نزہۃ الخواطر ۲۱۹/۷۔ (۳۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عربک اینڈ پرشین ان کرناٹک، ص ۴۸۷-۴۹۹۔ (۳۱) نزہۃ الخواطر ۳۳۳۔ (۳۲) تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۱۲-۱۱۴۔ (۳۳) نزہۃ الخواطر ۳۰۱/۷۔ (۳۴) تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۶۹، نیز حدائق الحنفیہ، ص ۴۸۸۔ (۳۵) تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۳۹۔ (۳۶) تذکرہ کمالان رام پور، حافظ احمد علی خاں شوقی، ہمدرد پریس دہلی، ۱۹۲۹ء، ص ۱۸۸۔ (۳۷) نزہۃ الخواطر ۳۰۴/۷۔

کلام رسولؐ میں علاقائی لہجے و معربات

ڈاکٹر حفصہ نسرین

ابلاغ کا عمدہ ترین اسلوب ہمیشہ سے منصب رسالت کا اولین اور اہم ترین تقاضا رہا ہے۔ نبی و رسول کی اولین ذمہ داری یہی ہوتی ہے کہ اپنے پاس آنے والے پیغامات الہی کو عمدہ، احسن اور مکمل طریقے سے اپنی قوم تک پہنچا دے اور تبلیغ اس طرح سے کرے کہ سامعین اور سائلین علم کو کسی طرح کی تشنگی اور کمی کا احساس باقی نہ رہے۔ اس تناظر میں ہم آنجنابؐ کے منج تبلیغ کا جائزہ لیں تو بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ آپؐ اپنی شخصیت کے باقی پہلوؤں کی مانند ابلاغ میں بھی بے مثال اور نہایت عمدہ اسلوب کے حاصل تھے۔ فصاحت و بلاغت اور حسن کلام کے لحاظ سے نبی اکرمؐ ایسی قوم میں مبعوث ہوئے تھے جس کے ہاں کمال کا معیار ہی بیان و بلاغت اور فصاحت لسان تھا لیکن آپؐ پر بیسیوں اعتراضات کرنے والے مخالفین آپؐ کی فصاحت و بلاغت پر کوئی اعتراض نہیں کر سکے اور اس حوالے سے آپؐ پر کبھی حرف گیری نہیں کی گئی۔ بلکہ آپؐ کو ابلیغ الناس تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس پر آپؐ کو خود فخر تھا۔ آپؐ کا فرمان ”نصرت بالرب و اوتیت جوامع الکلم“ اسی کا مظہر ہے۔ آپؐ بہت ہی آسان اور مختصر لفظ بول کر بہت سے معانی بیان فرما دیتے (۱)۔ آنجنابؐ اُفح الکلام اور اعذب اللسان تھے۔ فصاحت و بلاغت اور حسن کلام میں آپؐ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا (۲)۔ آپؐ کے کلام میں وہ سب خوبیاں فطری طور پر موجود تھیں جن کے حصول کے لیے عرب بھر پور کوشش کیا کرتے تھے (۳)۔ چنانچہ جاحظ کا یہ قول ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے کہ آپؐ کے دشمنوں میں سے کسی کو آپؐ کی فصاحت و بلاغت میں کسی قسم کا عجز یا عیب نظر نہیں آیا تھا، اگر ایسی کوئی بات سننے، دیکھنے میں آئی ہوتی تو وہ لوگ مجالس

سینئر مدیر کم اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو و دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

میں اسے بطور دلیل پیش کرتے یا اپنی خلوت گاہوں میں اس کے متعلق سرگوشیاں کرتے، اس سلسلے میں ان کے خطیب بات کرتے یا پھر ان کے شعراء اس کا تذکرہ کرتے کیونکہ ان کے ہاں خطیب بھی بکثرت تھے اور شعراء تو ایسی باتوں میں زیادہ عجلت پسند تھے (۴)۔ گویا آنجنابؑ اس حوالہ سے بھی کمال کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے۔ آپؑ کو فصاحت اس طرح معجزے کے طور پر ملی جیسے حضرت عیسیٰؑ کو اندھوں کو ٹھیک کرنے کا معجزہ عطا ہوا تھا یا جیسے موسیٰؑ کو سحر کا معجزہ ملا۔ مقصد تو سب انبیاءؑ کا یہ تھا کہ اپنی اپنی قوم کو حق کی دلیل دے سکیں، آپؑ کو جس قوم میں مبعوث کیا گیا تھا اس کے معیار کمال کے مطابق آنجنابؑ کی فصاحت و بلاغت ہی معجزہ کے طور پر اس مقصد کی تکمیل کرتی تھی (۵)۔ آپؑ کی فصاحت اور مہارت زبان کو سب تسلیم کرتے تھے۔ زبان کی عمدگی کے اعتبار سے آپؑ کا کلام قرآن کے بعد معتبر اور مثالی تصور کیا جاتا تھا۔ اس حقیقت کو آپؑ کے ہم عصر بھی مانتے تھے اور آپؑ کے بدترین دشمن جن میں جدید دشمن یعنی مستشرقین بھی شامل ہیں، آج بھی اسے تسلیم کرتے ہیں (۶)۔ آپؑ کا یہ وصف آپؑ کے ابلاغ و تبلیغ کی ذمہ داری کی تکمیل کے لیے بہت ضروری تھا۔

آپؑ کی فصاحت، خوش گفتاری، عمدہ اسلوب، سہل کلام وغیرہ تو بے مثال ہے، ہی تاہم ایک اور بہت ہی معجز اور بے مثال بات یہ تھی کہ عرب کے مختلف قبائل جن کے اپنے لہجے تھے اور جن میں بہت زیادہ تنوع تھا، ان سب کا احاطہ کسی ایک شخص کے لیے بہت مشکل تھا لیکن آپؑ کا تخصص تھا کہ آپؑ اس حوالہ سے بھی مہارت تامہ رکھتے تھے، آپؑ کے پاس جس قبیلہ کا بھی کوئی شخص یا وفد آتا آپؑ اس سے اسی کے لہجے کے مطابق گفتگو فرماتے (۷)۔ آپؑ کو عرب کی تمام زبانوں کا علم عطا ہوا تھا، تمام لہجوں پر عبور تھا حتیٰ کہ بیرون مکہ سے آنے والوں سے آپؑ کی گفتگو سن کر آپؑ کے اصحاب اس کے متعلق سوال کرتے تھے۔ وطیفۃ الہندی، قطن بن حارثہ العلیبی، اشعث بن قیس، وائل بن حجر الکندی، قیال حمیر، ملوک یمن کے ساتھ حضور اکرمؐ کی گفتگو کا جائزہ لیں تو اس میں ایسے بہت سے الفاظ ملتے ہیں جو اہل مکہ کے لیے نامانوس تھے یہ آپؑ کے عرب کے لہجوں پر عبور کی واضح دلیل ہے (۸)۔ اس حوالے سے کتب تاریخ، سیر اور احادیث سے متعدد روایات ملتی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کریم کو ہر شخص تک پہنچانا جو اولین اور اساسی

اہمیت کا حامل تھا اس کے لیے آنحضورؐ نے ہر طرح اور ہر اعتبار سے کوشش کی۔ مثلاً جب بنو ہند کا وفد آپؐ کے پاس آیا اور انہوں نے آپؐ سے اپنے لہجہ میں بات کی تو آپؐ نے بھی انہی کے لہجہ میں ان کو جواب دیا اس موقع پر جو گفتگو ہو رہی تھی، اہل مکہ کی اکثریت اسے نہ سمجھ سکی۔ اس کے بعد آپؐ نے ان کو ایک مکتوب دیا، جس کے متن کا کچھ حصہ یہ ہے ”لکم فی الوظيفة الفريضة ولكم الفارض والقريش مالم تضمروا اماقوا ولم تقطعوا رباقا ، ولم تاكلوا الربا“ اس متن میں وظیفہ ، فريضة ، الفارض ، قريش ، الاماق ، الرباق سب غریب الفاظ ہیں جن کو اہل مکہ سمجھ نہ پائے۔ اس موقع پر حضرت علیؓ موجود تھے، انہوں نے آپؐ سے سوال کیا کہ ہمارے اجداد ایک ہیں ہم ایک ہی شہر میں پلے بڑھے تو آپؐ عرب کی سب زبانیں (لہجات) بولنے والے وفد کو ان کی زبان میں جواب کیسے دیتے ہیں جبکہ ہم ان کے کلام کو سمجھ نہیں پاتے (۹) تو آپؐ نے فرمایا ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔ (۱۰)

ایک موقع پر بالکل اسی قسم کا استفسار حضرت ابو بکرؓ نے کیا اور ان کو یہی جواب ملا (۱۱)۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے آپؐ سے سوال کیا کہ آپؐ ہم سب سے افسح کیسے ہیں (۱۲) تو فرمایا کہ كانت لغة اسماعيل قد درست فجاء بها جبريل فحفظتها۔ (۱۳)

ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ نبی اکرمؐ نے لوگوں سے ان ہی کے لہجہ میں بات کی مثلاً ایک بار بنو سعد کا ایک شخص آپؐ کے پاس آیا تو اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ”ما اغناك الله فلا تسأل الناس شيئا فان اليد العليا هي المنطية واليد السفلى هي المنطاة (۱۴)۔ آپؐ نے المعطیہ کی جگہ المنطیہ اور المعطاة کی جگہ المنطاة کے الفاظ استعمال کیے کیونکہ نون کا عین سے بدلنا بنو سعد کے لہجے کا تخصّص تھا۔ ایک بار بلادیمن کی طرف سے ایک بدو آیا اور اس نے سوال کیا ”امن امبر امصيام في امسفر“ آنجنابؐ نے جواب دیا ”نعم امبر امصيام في امسفر“ (۱۵) پوچھنے والے نے اصل میں پوچھا تھا امن البر الصيام في السفر۔ ”ل“ کی جگہ ”م“ کو استعمال کرنا اہل یمن کی عادت تھی۔ آپؐ نے اسی کے عین مطابق امبر الصيام في امسفر کے الفاظ سے اسے جواب دیا۔ اسی طرح کی ایک مثال، ہمیں حدیث عائشہؓ سے ملتی ہے کہ حضور اکرمؐ سے اپنے رضاعی چچا ابوالقیس کے اپنے گھر آنے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے

فرمایا ائذنی له فانه عمج یعنی عمک۔ آپؐ نے کاف خطاب کو ”ج“ سے بدل دیا یہ بھی
یعنی لہجہ تھا۔ (۱۶)

اسی طرح قراءات قرآنیہ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگوں کو ان کے اپنے
لہجات کے مطابق قرآن پڑھایا گیا مثلاً سورہ کوثر کی آیت انا اعطیناک الکوثر کی ایک قرأت جو
آنحضورؐ کی جانب منسوب ہے انا انطیناک الکوثر ہے (۱۷)۔ ایک بار آپؐ کو یاجیٰ امالہ سے
پڑھتے سنا گیا استفسار پر فرمایا ”یہ میرے ماموں بنو سعد کی زبان ہے“ (۱۸)۔ اس قسم کی متعدد
مثالیں ملتی ہیں جن کو اختصار کے پیش نظر یہاں جمع کرنا مشکل ہے۔ ہمارا مقصد محض یہ واضح کرنا
ہے کہ تبلیغ اصل فریضہ تھا جس کو بہ طریق احسن تکمیل تک پہنچانے میں زبان کو کبھی رکاوٹ نہیں بنایا
گیا۔ ایسی ایک بھی روایت نہیں ملتی کہ حضور اکرمؐ نے کسی بھی شخص سے یہ فرمایا ہو کہ چونکہ تمہارا
لہجہ مختلف ہے اس لیے تم پہلے یہاں مکہ / مدینہ میں رک کر ہماری زبان سیکھو پھر اس کے مطابق
قرآن پڑھو تب تم مسلمان ہو سکو گے اس کے برعکس جس کو جس طرح سہولت تھی اور جو جس طرح
سمجھ سکتا تھا اسے اسی طرح سمجھایا گیا اور شارع اسلامؐ نے قرآن کی تشریح بھی ہر کسی کے لہجہ کے
مطابق ہی کی۔ چونکہ یہاں مقصود ایک کتاب اور شریعت کی نشر و اشاعت تھی اسی لیے زبان و
بیان پر عبور کا معجزہ حضور اکرمؐ کو عطا ہوا۔

آپؐ انصح العرب تھے، آپؐ سے ایسے ایسے الفاظ و کلمات صحابہؓ کو سننے کو ملتے تھے جو
انہوں نے پہلے کبھی نہیں سنے تھے، آپؐ کی زبان میں بہت سے غیر عربی الفاظ بھی شامل تھے۔ محمد
صبحی نے اس حوالے سے نہایت خوبصورت بات کہی وہ لکھتے ہیں کہ اہل مکہ اپنی اصل زبان سے
بخوبی آگہی رکھتے تھے مگر خود مکہ مکرمہ میں دیگر علاقوں کی زبانیں بولنے والے موجود تھے، عام
عربوں کی زبان ان لفظوں کو اپنے اندر سمیٹ چکی تھی، چنانچہ آنجنابؐ بھی وہ سب الفاظ استعمال
کرتے جو دوسری زبانوں سے عربی میں آچکے تھے۔ آپؐ دوسری زبانیں سمجھ بھی سکتے تھے۔ اس کا
ثبوت وہ روایت ہے جو بہت سی تفاسیر و احادیث میں ملتی ہے کہ مکہ میں جبر و یسار نامی دو غلام تھے جو
اپنی زبان یعنی رومی زبان میں کتابیں پڑھتے نبی اکرمؐ اکثر کھڑے ہو کر ان کے قصے سنتے اور سمجھتے
تھے (۱۹)۔ آپؐ انصح العرب تھے اس حقیقت کو سب لوگ مانتے ہیں۔ اس کے باوجود آپؐ کے

کلام میں بہت سے معرب الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں اس حوالے سے چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

فارسی زبان کے الفاظ: صفائی کا کہنا ہے کہ آنحضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا کیا تھا کہ وہ دوسری زبانیں خاص طور پر فارسی بول سکتے تھے (۲۰)۔ اس لیے آپؐ کے کلام میں فارسی زبان کے الفاظ جا بجا پائے جاتے ہیں مثلاً روایت ہے کہ ایک غزوہ میں نبی اکرمؐ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا ”قوموا فقد صنع لكم جابر سوراً“ (۲۱) یہاں سور کا لفظ استعمال ہوا جو فارسی الاصل ہے (۲۲)۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حسنؓ بن علیؓ نے آنجنابؐ کے پاس رکھی ہوئی صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھالی تو آپؐ نے فارسی کے الفاظ کخ کخ بولتے ہوئے فرمایا ”کیا تمہیں نہیں پتا کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے“۔ (۲۳)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ایتک فی المنام مرتین اری انک فی سرقة من حریر (۲۴) اس حدیث میں سرقة کا لفظ استعمال ہوا جو اَلِیق کے مطابق یہ فارسی کے ”سرہ“ سے معرب ہے۔ (۲۵)

حبشی زبان کے الفاظ: آنحضورؐ کے کلام میں ہمیں حبشی زبان کے الفاظ بھی ملتے ہیں، مثلاً امام بخاری نے ام خالد بنت سعید سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتی ہیں ”میں اپنے والد کے ساتھ آپؐ کے پاس گئی، میں نے زرد رنگ کی قمیص پہن رکھی تھی تو آپؐ نے فرمایا سنہ ، سنہ ، عبد اللہ کہتے ہیں کہ حبشی زبان میں سنہ خوبصورت اور اچھے کے لیے بولا جاتا ہے“ (۲۶)۔ اسی طرح احادیث نبویؐ میں منبر کا لفظ بکثرت وارد ہوا، مثلاً آپؐ نے فرمایا ”ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة ومنبری علی حوضی“ (۲۷)۔ منبر حبشی زبان کا لفظ ہے۔ (۲۸)

یونانی زبان کے الفاظ: اسی طرح کلام نبویؐ میں یونانی سے عربی میں آنے والے متعدد الفاظ ملتے ہیں، مثلاً یاقوت کا لفظ لغویین کے مطابق یونانی سے معرب ہے (۲۹)۔ یہ لفظ بھی احادیث نبویہ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے ”قال رسول اللہ:

الکوثر نهر فی الجنة حافتاه من ذهب فجراه علی الیاقوت والدر تربته اطیب من المسک“ (۳۰)۔ اسی طرح یاقوت و مرجان کے معانی بیان کرتے ہوئے فرمایا الیاقوت

والمرجان فاما الياقوت فانه حجر لوا دخلت فيه سلكا ثم استسصفيته لاريتہ من ورائہ.....۔ (۳۱)

سریانی زبان کے الفاظ: یسم کا لفظ عربی میں سمندر کے لیے بولا جاتا ہے، قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ اسے مفسرین سریانی سے معرب قرار دیتے ہیں (۳۲)۔ آنحضورؐ کے کلام میں یہ لفظ ملتا ہے، آپؐ کا فرمان ہے ”الا مثل ما يجعل احدكم الا كرجل وضع اصبعه في اليم“۔ (۳۳)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے، نبی اکرمؐ نے فرمایا:.....ان رجلا حضره الموت فلما يئس من الحياة اوصى اهله اذا انا مت فاجمعوا الي حطبها كثيرا و اوقدوا فيه نارا حتى اذا اكلت لحمي وخلعت الى عظمي فامتحشت فخذوها فاطعنوها ثم انظروا يوما راحا فاذروه في اليم ، ففعلوا.....۔ (۳۴)

اسی طرح سریانی کا لفظ دیوث بھی معرب ہو کر عربی کا حصہ بنا (۳۵)۔ آپؐ کے کلام میں یہ لفظ بھی ملتا ہے۔ فرمایا۔ ”ثلاثة لا يدخلون الجنة ابدا : الديوث ، والرجلة من النساء ، ومد من الخمر“۔ (۳۶)

رومی زبان: آنحضورؐ کے کلام میں رومی زبان کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مَد کا لفظ رومی modius سے معرب ہے (۳۷) اور ایک پیمانے کا نام ہے، آنجنابؐ کی متعدد احادیث میں یہ لفظ ملتا ہے، اہل مدینہ کے لیے آپؐ نے دعا فرمائی ”اللهم بارك لهم في مكيالهم وصاعهم ومدهم“۔ (۳۸)

ہندی زبانوں کے الفاظ: ہندوستانی زبانوں کے الفاظ جو معرب ہو کر عربی کا حصہ بن چکے تھے، وہ بھی آپؐ کے کلام میں ملتے ہیں، مثلاً آپؐ نے معراج کے موقع پر انبیائے کرامؑ سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے، حضرت موسیٰؑ کے متعلق صحابہ کرامؓ کو بتایا ”موسیٰ فآدم جسيم كانه من رجال النبط“ (۳۹) یہاں زبط کا لفظ استعمال ہوا جو لغویین کے مطابق ہندوستان کی ایک ذات ”جاٹ رجٹ“ کی معرب شکل ہے۔ (۴۰)

اسی طرح آنجنابؐ کا فرمان مبارک ہے ”من استمع الى هينة صب في اذنيه

الآنك يوم القيامة“ (۴۱) اس حدیث میں ”آنك“ استعمال ہوا جو ایک دھات کا نام ہے اور اس لفظ آنك کی اصل سنسکرت میں ملتی ہے (۴۲)۔ اکثر احادیث میں مشک اور کافور کے الفاظ ملتے ہیں مثلاً عن ام عطیہ الانصاریہ قالت : دخل علينا رسول الله حين توفيت ابنة ، قتل غسلها ثلاثا ، او خمسا او اكثر من ذلك ان راستین ذلك بماء وسدر واجعلن فی الآخرة کافورا ، او شیئا من کافور ، فاذا فرغتن فأذنی (۴۳) اسی طرح والذی نفسی بیده مخلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح المسک (۴۴)

کافور کا لفظ ہندی کپور کا پور سے معرب ہے (۴۵) اور مسک کا لفظ ہندی کے مُشکا سے معرب ہے۔ (۴۶)

نبطی زبان کے الفاظ: احادیث مبارکہ میں نبطی زبان کے الفاظ بھی ملتے ہیں مثلاً حدیث استسقاء میں ہے فالله بین السحاب فابلنا ای مطرنا وابلا وهو المطر الكثير القطر والهمزه فيه بدل من الواو مثل اكد فالله الله بین السحاب فوبلتنا جاء به الاصل (وفیه) ذكر الابله وهی بضم الهمزة یہ روایت نقل کرنے کے بعد ابن الاثیر لکھتے ہیں ابلہ نبطی نام ہے۔ (۴۷)

اسی قسم کی بے شمار مثالیں کتب حدیث سے ملتی ہیں یہاں اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے محض چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

آنحضورؐ کے کلام میں معرب الفاظ کا وجود آپؐ کی فصاحت میں کسی کمی یا نقص کا مظہر نہیں ہے بالکل جس طرح قرآن کی فصاحت معرب الفاظ کے وجود سے متاثر نہیں ہوتی بلکہ بعض تو اس سے یہ استنباط کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ ہر زبان سے واقف اور بولتے تھے۔ آپؐ کے کلام میں موجود معرب الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ آپؐ کم از کم تجارتی ضروریات کی تکمیل کے لیے ضروری زبانوں سے بخوبی واقف تھے اور ان کے بولنے والوں سے مکالمہ کر سکتے تھے (۴۸) اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے مخاطب صرف عرب نہ تھے بلکہ ساری بنی نوع انسان تھی۔ آپؐ کی یہ وسعت آپؐ کے پیغام کی عالم گیری پر دال ہے۔

حواشی

- (۱) الاشعبي شهاب الدين محمد بن احمد، المستطرف في كل فن مستطرف، ج ۱، جزء ۱، ص ۴۰۔ (۲) الرومي احمد عبد الجواد، الاتحافات الربانية شرح الشمايل المحمودية للإمام الترمذي، ص ۲۷۰۔ (۳) الرافعي، تاريخ آداب اللغة العربية، ج ۲، ص ۲۲۴-۲۲۵۔ (۴) جاحظ، البيان والتبيين، ج ۳، ص ۳۲۷۔ (۵) سيد محمد طاهر ابن عاشور، حياة اللغة العربية، ص ۹۔ (۶) P:43-Edward Victor Panter, The Islamic Tradition, (۷) M.A.Chaudhary, Gibbon, @ Simon Ockley, The Saracens, P:17
- "Orientalism on...", P:172، عبد الجواد بن سيد ابراهيم وعففي انصار، تحفة الطلاب في تاريخ الاداب، ص ۱۵۔ (۸) محمد ابو زهرة، خاتم النبئين، ج ۱، ص ۱۹۰۔ (۹) ابن الجوزي، الوفا باحوال المصطفى، ج ۲، ص ۵۴، عبد الجواد وعففي انصار، تحفة الطلاب في تاريخ الاداب، ص ۱۵-۱۶۔ (۱۰) السيوطي، الجامع الصغير، ج ۱، ص ۱۴۔ (۱۱) المتقي الهندي، كنز العمال في السنن والاقتوال، ج ۶، ص ۱۱۶-۱۸۶۔ (۱۲) السيوطي، المعزهر، ج ۱، ص ۳۵۔ (۱۳) المتقي الهندي، كنز العمال في السنن والاقتوال، ج ۶، ص ۱۸۶-۱۸۷۔ (۱۴) ابن ابى شيبه، المصنف، ج ۱۱، ص ۱۰۸۔ (۱۵) ابراهيم انيس، في اللغات العربية، ص ۱۴۵۔ (۱۶) ابن منظور، لسان العرب، بذييل مائه۔ (۱۷) الطبراني حافظ ابو القاسم سليمان بن احمد، المعجم الكبير، تحقيق حمدي عبد المجيد، ج ۲۳، ص ۲۹۸۔ (۱۸) السيوطي، الاقتان، ج ۱، ص ۹۳۔ (۱۹) محمد صبيح، عن القرآن، ص ۱۱۷-۱۱۸۔ (۲۰) صفاني، العباب، ج ۳، ص ۵۵۵۔ (۲۱) ابن الجوزي، الوفاء، ج ۱، ص ۴۵۶۔ (۲۲) صفاني، العباب، بذييل مائه۔ (۲۳) بخاري، الجامع، كتاب الجهاد، باب من تكلم بالفارسية والرطانية، ص ۲۴۷۔ (۲۴) ايضا، كتاب مناقب الانصار، ص ۳۱۷۔ (۲۵) الجواليقي، المعرب۔ (۲۶) بخاري الجامع الصحيح، كتاب الجهاد، باب من تكلم بالفارسية والرطانية، ص ۲۴۷۔ (۲۷) مالك بن انس، الموطا، ص ۱۴۳۔ (۲۸) جرجي زيدان، تاريخ آداب اللغة العربية، ص ۱۰۸۔ (۲۹) ايضا۔ (۳۰) ابن ماجه، سنن، كتاب الزهد، ص ۲۷۱۔ (۳۱) ترمذي، الجامع الصحيح، كتاب صفته الجمة، ص ۱۹۰۶۔ (۳۲) قنوجي، فتح البيان، ج ۴، ص ۴۴۳، آلوسي، روح المعاني، ج ۵، ص ۲۳۸۔ (۳۳) ابن ماجه، سنن، كتاب الزهد، ص ۲۷۲۔ (۳۴) بخاري، الجامع الصحيح، كتاب الانبياء، ص ۲۸۲۔ (۳۵) ابن دريد، جمهرة في اللغة، بذييل مائه۔ (۳۶) السيوطي، الجامع الصغير، ج ۱، ص ۱۴۵۔ (۳۷) Collin's Latin Gem Dictionary, (۳۸) Latin English English-Latin, S.V."mod"- A Latin Dictionary, S.V. "Modius"

(۳۸) بخاری الجامع الصحیح، باب من تكلم بالفارسیة والرطانیة، ص ۲۴۷- (۳۹) بخاری، الجامع الصحیح، كتاب احادیث الانبیاء، ص ۲۸- (۴۰) ابن منظور، لسان العرب، بذیل ”زطط“؛ فیروز آبادی، قاموس المحیط، بذیل ”زطط“۔ (۴۱) الطبرانی، معجم الکبیر۔ (۴۲) د، سعدی غناوی، المعجم المفصل فی العرب والدخیل، ص ۱۶-۱۷۔ (۴۳) مالک الموطا، کتاب الجنائز، ص ۱۵۹- (۴۴) مالک الموطا، کتاب الصیام، ص ۳۱۱- (۴۵) جرجی، تاریخ، ص ۱۴۸- (۴۶) ایضاً۔ (۴۷) ابن الاثیر، النہایة فی غریب الحدیث، ج ۱، جز ۱، ص ۱۳- (۴۸) المغربی، الاشتقاق والتعریب، ص ۷۵۔

کتابیات

الاشی شہاب الدین محمد بن محمد احمد، المستطرف فی کل فی مستطرف، دارالکتب العلمیہ بیروت سن ن۔
الرومی احمد عبدالجواد، الاتحافات الربانیة شرح الشمائل المحمودیہ لامام الترمذی، المکتبہ التجاریہ الکبریٰ؟ مصر، طبع اول ۱۳۸۱ھ۔

الرافعی مصطفیٰ صادق، تاریخ آداب العربیة، دارالکتب العربیہ بیروت، الطبعة الرابعة، ۱۹۷۴۔

جاحظ ابو عمر وعثمان، البیان والتبیین، دارالفکر بیروت، ۱۹۶۸۔

سید محمد طاہر بن عاشور، حیاة اللغة العربیة، سن ن۔

عبدالجواد بن سید ابراہیم وعفیفی انصار، تحفة الطلاب فی تاریخ الآداب، من، سن ن۔

محمد ابو زہرة، خاتم النبیین، دارالفکر العربی، سن ن۔

ابن الجوزی، ابو الفرج عبد الرحمن، الوفا باحوال المصطفیٰ، تحقیق: مصطفیٰ عبدالواحد، المکتبہ النوریہ الرسویة پاکستان، طبع دوم، ۱۹۷۷۔

السیوطی ابو بکر جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر، شرکہ مکتبہ ومطبعة مصطفیٰ البابي الحلبي، سن ن۔

ایضاً، الاتقان فی علوم القرآن، مکتبہ مطبعة عیسیٰ البابي الحلبي، مصر، سن ن۔

ایضاً، المیزان فی علوم اللغة وانواعها، مکتبہ مطبعة البابي الحلبي، مصر، سن ن۔

المتقی الہندی علی بن حسام الدین، کنز العمال فی السنن والاقوال، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸۔

ابن ابی شیبہ ابو بکر عبداللہ بن محمد، الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۰۔

- ابراہیم انیس، فی اللہجات العربیہ، مکتبہ الانجیلو المصریہ، القاہرہ الطبعة السادسة، ۱۹۸۲۔
- ابن منظور محمد مکرم، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
- الطبرانی حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، تحقیق حمزہ عبد المجید، شرکہ معمل ومطبعہ الزہراء، عراق، طبع دوم، سن۔
- محمد صبیح، عن القرآن، بیروت، سن۔
- الصغانی ابوالفضائل حسن بن محمد، العباب الزاخر واللباب الفاخر، المجلس الوطنی للہجرة، اسلام آباد، پاکستان۔
- بخاری ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، موسوعة الکتب السنة دار السلام، ریاض، ۲۰۰۰۔
- الجوالیقی ابو منصور موبوب بن احمد، المعرب من الکلام الاعجمی علی الحروف المعجم، تہران، ۱۹۶۶۔
- مالک بن انس، الموطا۔
- جرجی زیدان، تاریخ اللغة العربیة، مطبعة الہلالی، مصر۔
- ابن ماجہ، السنن، موسوعة الکتب السنة، دار السلام، ریاض، ۲۰۰۰۔
- ترمذی ابو عیسیٰ محمد بن سورۃ، الجامع الصحیح، در موسوعة الکتب السنة، دار السلام، ریاض، ۲۰۰۰۔
- قنوجی صدیق حسن خان، فتح البیان فی مقاصد القرآن، المکتبۃ الاثریہ، ۱۹۹۲۔
- آلوسی شہاب الدین محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، مکتبہ امدادیہ، ملتان۔
- ابن درید، کتاب جمہرۃ فی اللغة، دار العلم للملاہین، طبع اول، ۱۹۸۷۔
- فیروز آبادی، القاموس المحیط، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۱۔
- در سعدی غنای، المعجم المفصل فی العرب والدخیل، دار الکتب العلمیہ، طبع اول، ۲۰۰۴۔
- ابن الاثیر، النہایہ فی غریب الحدیث، المکتبۃ الاسلامیہ، ریاض، سن۔
- المغربی عبدالقادر، الاشتقاق والتعریب، مطبعة ہلال مصر، ۱۹۰۸۔

Victor Panner, The Islamic Tradition, London n.d.

Edward Gibbon and Simon Ockley, The Saracens; Their History and the Rise and Fall of their Empires, London 1984.

The American Journal of Islamic Social Sciences 1995.

Collins Latin Gem Dictionary, London, 1957.

اخبار علمیہ

”انڈوں پر قرآن“

۹۷ سال کے احمد العبدان جدہ کے رہنے والے ہیں، ان کو مصوری اور دیگر فنون لطیفہ بالخصوص اسلامی خطاطی سے بڑی دلچسپی ہے جس کا ایک ثبوت انڈوں پر ان کے قرآن مجید لکھنے کا بے نظیر کارنامہ ہے، انہوں نے اب تک مختلف اسلامی فن پاروں اور خطاطی کے جاذب و دلکش نمونے پیش کیے ہیں لیکن انڈوں پر کتابت قرآن کے مقدس عمل نے انہیں دنیا کے دوسرے ماہرین فن سے ممتاز کر دیا ہے، ان کے بیان کے مطابق انہوں نے ۱۹۵۵ء میں اس کا آغاز کیا تھا جس کی تکمیل اب چھ مہینے قبل ہوئی ہے، ابتدا میں یہ کام بہت مشکل نظر آتا تھا اور یہ خیال ہمہ وقت دامن گیر رہتا تھا کہ انڈے خراب ہو کر ٹوٹ نہ جائیں لیکن تائید الہی سے چالیس برسوں میں ۳۳ انڈوں پر قرآن مجید کی کتابت کا کام مکمل ہو گیا، اس بے نظیر اور حیران کن کارنامہ کی وجہ سے ان کا نام گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں درج کر لیا گیا ہے۔

”یہ ہیں ہمارے محمد ﷺ“

۵x۴ میٹر سائز کی چار سو صفحات پر مشتمل ۲۷۰۰ کلو وزنی ”یہ ہیں ہمارے محمد“ نامی کتاب کی تقریب رسم اجرا گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ کے عہدے داروں کی موجودگی میں منائی گئی اور اس کو دنیا کی عظیم اور ضخیم کتاب قرار دیا گیا، اس کا ایک صفحہ الٹنے کے لیے چار افراد کی ضرورت ہوتی ہے، کتاب کی تکمیل میں ۹ ماہ کا عرصہ لگ گیا، دبئی اور سعودی عرب کی سرمایہ کار کمپنی ”مشہد“ نے اس کے اخراجات برداشت کیے ہیں، ذمہ داروں کے بیان کے مطابق اس کا مقصد آنحضرت کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کی تبلیغ و اشاعت اور ان کو عام کرنا ہے، ان کو افسوس ہے کہ مسلمانوں نے آنحضرت کی تعلیمات و ہدایات کو اقوام عالم تک پہنچانے کی خاطر خواہ کوشش نہیں کی، امید ہے کہ اس کتاب کی حیرت انگیز تیاری سے عام دنیا کو رسول اللہ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ کی جانب توجہ ہوگی اور گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ کی شہرت کو یک گونہ نیک نامی بھی حاصل ہوگی۔

”بائبل کے قدیم نسخہ کی دریافت“

بائبل میں آنحضورؐ کی آمد کی بشارت پر ہمارا یقین ہے لیکن اہل کلیسا نے اس میں تحریف بلکہ تخریب کر کے بعثت نبویؐ کے سلسلہ کی آیات پر پردہ ڈال دیا تھا تاکہ عام عیسائیوں کو قبول اسلام سے روکا جاسکے، لیکن ترکی جریدہ ”ٹوڈے زمان“ نے یہ خبر دی ہے کہ ترک حکام کے پاس ڈیڑھ ہزار برس قدیم بائبل کا وہ نسخہ محفوظ ہے، جس میں آنحضورؐ کے متعلق پیش گوئی موجود ہے، حضرت عیسیٰؑ کی زبان آرا می تھی اور دستیاب نسخہ اسی آرا می زبان میں ہے، یہ حضرت عیسیٰؑ کے مشہور حواری ”یوحنا“ کا تحریر کردہ ہے، ماہرین علم الآثار نے اس کے اصلی ہونے کی تصدیق بھی کر دی ہے، برطانوی جریدہ ”ڈیلی میل“ کے مطابق اس میں نہایت وضاحت سے آخری رسولؐ کی آمد کا مشہدہ سنایا گیا ہے، دارالحکومت استنبول کے ”اتھنوگرافی میوزیم“ میں یہ نسخہ ہے۔ اس خبر نے کلیسائے روم ویٹی کن میں جہاں کھلبلی مچا دی ہے، وہیں مسلمانان عالم کے دل شاد کر دیے ہیں گویا ویومئذ یفرح المومنون کی ایک نئی تفسیر سامنے آگئی ہے۔

”تعلیمی فیس کی ادائیگی کے لیے بالوں کی فروخت“

عربی روزنامہ ”الریاض“ کی خبر ہے کہ برطانیہ میں گذشتہ سال تعلیمی اداروں میں فیس میں غیر معمولی اضافہ کیا گیا تو پورے ملک میں طلبہ و طالبات نے سخت احتجاج اور فیسوں میں کمی کا مطالبہ کیا مگر حکومت نے مسترد کر دیا، اب خبر ہے کہ وہاں غریب و غیر مستطیع طالبات تعلیمی فیس، ادائے قرض اور چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیے بالوں کی قربانی دیتی ہیں، جن سے قدرتی بالوں والی وگ تیار کی جاتی ہیں، مصنوعی دنیا کے تصنع کے فروغ میں یہ کاروبار خوب پھیل رہا ہے۔

”ناسا کی خلائی تحقیقاتی ٹیم میں سعودی خاتون کی شمولیت“

روزنامہ ”الوطن“ کی خبر کے مطابق سعودی عرب کی خاتون ڈاکٹر ماجدہ ابوراس کو پہلی مرتبہ ناسا کی خلائی تحقیقاتی ٹیم میں شامل کیا گیا ہے، ان کا انتخاب ”گلف سائنس و ٹیکنالوجی اینڈ ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن“ کے ذریعہ کیا گیا ہے، ڈاکٹر ماجدہ کا خیال ہے کہ عالم اسلام کی تعمیر و ترقی میں خواتین کے کردار سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، وہ محض امور خانہ داری میں ہی ماہر نہیں بلکہ

موقع ملنے پر سائنسی تحقیقات کے شعبوں میں بھی کارہائے نمایاں انجام دے سکتی ہیں، ناسا کی ٹیم میں ڈاکٹر ماجدہ کی شمولیت سے سعودی عرب کی خواتین کے حوصلے بلند ہیں۔

”بعض ممالک کی آبادی میں تشویش ناک کمی“

پاپولیشن ریفرنس بیورو کی جانب سے جاری کردہ آبادی سے متعلق رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس دنیا کے درجنوں ممالک کی شرح آبادی میں تشویش ناک کمی واقع ہو رہی ہے جن میں جاپان، روس اور سوئٹزرلینڈ سمیت مشرقی یورپ کے متعدد ممالک جیسے یوکرین، بیلاروس، مالدووا، اسٹوفیا، لیٹویا، کھوانیا، بلغاریہ، جارجیا، آرمینیا، بوسنیا، کروشیا، سلووینیا، جرمنی، بگری اور اٹلی شامل ہیں، اسی کے ساتھ یونان، اسپین کیوبا، یوراگوئے، ڈنمارک، فن لینڈ آسٹریلیا اور لیسوتھو میں بھی شرح پیدائش بہت کم ہے، ماہرین کے مطابق مذکورہ ممالک میں اس کمی کے اہم اسباب میں غیر فطری طرز حیات، اسقاط حمل، پر تشدد واقعات، آفات، نقل مکانی اور ایڈز کا مرض وغیرہ ہیں، جاپان اور روس سمیت دوسرے یورپی ممالک میں اموات کی شرح، پیدائش سے زیادہ ہے، مشرقی یورپ اور سوویت یونین کی مذکورہ ریاستوں میں آبادی گھٹنے کا سبب صحت کے مسائل اور روسی باشندوں کا نقل مکانی ہے، جہاں یہ ممالک اپنے یہاں کی شرح آبادی میں اضافہ کی تدبیروں پر اپنی توجہ مرکوز کیے ہوئے ہیں وہیں ہندوستان اور بیشتر ایشیائی ممالک اپنی بڑھتی ہوئی آبادی پر قابو پانے کے لیے پریشان اور فکر مند ہیں۔

”اسرائیل کو ۹۶ لاکھ یومیہ ڈالر کی مدد“

امریکہ کی سی آئی اے خفیہ ایجنسی نے اپنی تازہ ترین رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ دنیا کے ۴۰ کروڑ مسلمان اسرائیل کی نادانستہ مدد اس طرح کر رہے ہیں کہ وہ اس کو کالافلیس نامی شہرہ آفاق کمپنی کے تیار کردہ سگریٹ اور ٹھنڈے مشروبات کو استعمال کرتے ہیں جو اسرائیل کی سب سے بڑی معاون و مددگار اور اس کے تحفظ کی بڑی نگہبان ہیں۔

ک، ص اصلاحی

معارف کی ڈاک

آئینی حقوق بچاؤ تحریک

سجادہ نشین خانقاہ رحمانی،
مونگیر۔

۲۰۱۲/۲/۲۷ء

برادر مکرم

سلام مسنون

خدا کرے مزاج بعافیت ہو۔ بھم اللہ بخیر ہوں اور تقریباً دو ماہ سے ”ہنگامی سفر“ میں مبتلا ہوں۔ آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ میرا پچھلا سفر مکمل بیالیس دن پر پورا ہوا اور وہ بھی اس طرح کہ صبح کہیں شام کہیں، دن کہیں رات کہیں، آئینی حقوق بچاؤ تحریک کی یہ برکت ہے اور اسی وجہ سے حرکت ہو رہی ہے۔

دہلی پہنچا تو معارف (جنوری ۲۰۱۲ء) میں آئینی حقوق بچاؤ پر ادارہ دیکھا۔ عرض یہ ہے کہ میں بورڈ کا جنرل سکریٹری نہیں ہوں، شاید سبقت قلمی یا زیادتی تعلق کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ جنرل سکریٹری حضرت مولانا نظام الدین صاحب ہیں، جناب عبدالرحیم قریشی صاحب اسٹنٹ جنرل سکریٹری اور میں سکریٹری ہوں اور تحریک کا کنوینر، مولانا ڈاکٹر سعود عالم صاحب قاسمی معاون کنوینر۔

اداریہ کا آخری حصہ، آخری دو سطریں، بہت باریک ہو گئیں، سر کے اوپر سے گزر گئیں، اب ان لطیف اشاروں کو کون سمجھے، صریح بھی سمجھنے کے لیے لوگ تیار نہیں ہیں۔

والسلام

بھم اللہ بخیر ہوں اور آپ کی صحت و عافیت کا طالب۔

محمد ولی رحمانی

قتل عمد میں دیت اور معافی.....

تخلیق آباد، نئی دہلی

۲۷ فروری ۲۰۱۲ء

مکرمی سلام مسنون

اس سے پہلے دو خط ایک ساتھ بھیج چکا ہوں، توقع ہے مل گئے ہوں گے۔ ایک خط تو میرے اپنے مضمون ”تصوف کیا ہے؟“ کے بارے میں تھا اور دوسرا خط ڈاکٹر محمد عبداللہ عابد کے مضمون ”برصغیر میں حجیت حدیث.....“ کے متعلق تھا۔ ابھی تک اول الذکر خط کا جواب موصول نہیں ہوا۔ اس سکوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مضمون کی اشاعت سے متفق نہیں ہیں اور بحیثیت مدیر آپ کو اس کا حق حاصل ہے۔ اب مجھے کوئی شکایت نہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی میرا قلمی تعاون ”معارف“ کو حاصل رہے گا۔ منسلک خط ڈاکٹر محمد شکیل اوج کے مضمون ”قتل عمد میں دیت.....“ (معارف، ماہ دسمبر ۲۰۱۱ء) میں مذکور بعض مباحث کی تنقیح سے متعلق ہے۔ افادہ عام کے خیال سے اس کی اشاعت مفید ہوگی۔

معارف (دسمبر ۲۰۱۱ء) میں ڈاکٹر محمد شکیل اوج کا مضمون ”قتل عمد میں دیت اور معافی کے تعلق سے قرآنی مباحث“ شائع ہوا ہے۔ اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف قرآن مجید کی آیات احکام میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس کے لیے وہ لائق تحسین ہیں۔ لیکن ان کے اس مضمون کے بعض مباحث سے مجھے اختلاف ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ”قانون دیت کا تعلق قتل خطاء سے ہے، قتل بالعمد سے نہیں“۔ (معارف، ص ۴۰۷) یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ قتل خطاء کی طرح قتل عمد میں بھی دیت ہے گوکہ استثنائی ہے۔ ”فمن عفی له من اخیه شی الخ“ (بقرہ: ۱۷۸) کا تعلق اسی دیت سے ہے لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت کا تعلق قتل خطا سے ہے۔ مولانا عمر احمد عثمانی کا بھی یہی خیال ہے اور فاضل مضمون نگار نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (معارف، ص ۴۱۵، ۴۱۶) لیکن یہ

بات صحیح نہیں ہے اور نظم کلام سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ فمن عفی له الخ سے ٹھیک متصل یہ فقرہ ہے ”فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان“ (بقرہ: ۱۷۸)۔ اس فقرے سے بالکل واضح ہے کہ اس آیت میں جس دیت کا ذکر ہے وہ معاف نہیں ہو سکتی ہے، اس کی ادائیگی دستور کے مطابق واجب ہے، جب کہ قتل خطاء میں اگر مقتول کے ورثاء چاہیں تو دیت معاف ہو سکتی ہے (نساء: ۹۲)۔ اس لیے ماننا ہوگا کہ سورہ بقرہ میں مذکور دیت کا تعلق قتل خطاء کے بجائے قتل عمد سے ہے۔ سورہ نساء پر سورہ بقرہ کے زمانی تقدم سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ سورہ نساء کی آیت ۹۲ دراصل سورہ بقرہ کی آیت ۱۷۸ کی توضیح ہے۔ اغلب ہے کہ سورہ بقرہ میں قتل عمد کی سزا کے بیان کے بعد سوال اٹھا ہوگا کہ اگر کسی کو غلطی سے قتل کر دیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ سورہ نساء کی مذکورہ آیت میں اسی سوال کا جواب دیا گیا ہے۔

مزید برآں ”ذلك تخفيف من ربکم ورحمة“ (بقرہ: ۱۷۸) کے جملے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ”فمن عفی له“ کا تعلق قتل عمد ہی سے ہے۔ اگر کسی شخص نے وقتی جوش و ہيجان سے مغلوب ہو کر کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو اگرچہ اس کا شمار قتل عمد میں ہوگا لیکن یہ اس قتل سے یقیناً مختلف ہے جس میں قاتل بالارادہ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ قتل انجام دیتا ہے۔ اس لیے ایسے قاتل کی سزا میں تخفیف یعنی دیت کی گنجائش ہے۔ ”رحمت“ کا تعلق مقتول کے ورثاء بالخصوص اس کے اہل و عیال سے ہے۔ اگر مقتول کے بچے کم سن ہیں اور ان کی ماں تنگ دستی کی وجہ سے ان کی مناسب کفالت سے قاصر ہے تو اس صورت میں قاتل کے قتل سے بہتر یہ ہوگا کہ وہ دیت لے لیں تاکہ ان کی معاشی مشکلات کا ازالہ ہو سکے۔

سرسید احمد خاںؒ نے ”فمن عفی له من اخیه شئ الخ“ کی دوسری تاویل کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس کا تعلق ایام جاہلیت کے خونوں سے متعلق معاہدوں سے ہے۔ فاضل مضمون نگار نے سرسید کے اس خیال کو نقل کیا ہے اور اس کی تصویب کی ہے۔ (معارف، ص ۴۱۵، ۴۱۶) لیکن آیت میں ایسا کوئی قرینہ نہیں جو تخصیص کی طرف رہنمائی کرتا ہو۔ اس کے علاوہ ”ذلك تخفيف من ربکم ورحمة“ (بقرہ: ۱۷۸) کے الفاظ سے بھی اس خیال کی نفی ہوتی ہے۔ عہد جاہلیت میں قتل کے معاملے میں قصاص کے علاوہ دیت اور معافی کا بھی رواج تھا، اس لیے

تخفیف اور رحمت کی بات ایک بے معنی بات بن جاتی ہے۔ نظم کلام سے بھی اس خیال کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ دیکھیں، پہلے کہا گیا کہ اے مسلمانو! تم پر مقتول کا قصاص لینا فرض کیا گیا، پھر فرمایا گیا کہ (مخصوص حالات میں) اگر تمہارا بھائی (یعنی مقتول کا وارث) کچھ معاف کر دے (یعنی جان کے بدلے مال لینے پر راضی ہو جائے) تو قاتل کی جاں بخشی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس صورت میں قاتل کے لیے لازمی ہے کہ وہ دستور کے مطابق اچھے ڈھنگ سے دیت ادا کرے، پھر فرمایا کہ یہ (یعنی دیت) تمہارے رب کی طرف سے (اصل قانون میں) تخفیف اور (مقتول کے اہل و عیال کے لیے) رحمت ہے۔ (بقرہ: ۱۷۸) یہ قتل عمد سے تعلق اسلام کے قانون (حد) کی تفصیل ہے نہ کہ عہد جاہلیت میں کیے گئے خون کے معاہدوں سے متعلق کسی حکم کا بیان، جیسا کہ سرسید احمد خاں اور فاضل مضمون نگار نے سمجھا ہے۔

قتل عمد میں دیت تاریخی روایات سے بھی ثابت ہے۔ اس سلسلے میں دو روایات کا یہاں ذکر کروں گا۔ پہلی روایت کا تعلق حضرت عمر فاروقؓ کے واقعہ قتل سے ہے۔ ان کے ایک صاحب زادے نے جوش غضب میں نہ صرف قاتل مجوسی ابو لولو بلکہ اس کے گھر کے بعض دوسرے افراد کو بھی قتل کر دیا۔ یہ کھلا ہوا قتل عمد تھا گو کہ حالت غیظ میں صادر ہوا تھا۔ خلیفہ ثالث نے اپنی طرف سے مقتولوں کا خون بہا ادا کر کے پسر عمرؓ کی جان بچائی۔ تاریخ اسلام کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں اس قتل اور خون بہا کا ذکر ہوا ہے۔

دوسری روایت کا تعلق حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت سے ہے۔ ان کے پاس ایک ایسا مسلمان لایا گیا جس نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ جب تحقیق کی گئی تو جرم ثابت ہو گیا اور آپ نے اس مسلمان کے قتل کا فیصلہ کر دیا۔ بعد میں مقتول کے بھائی نے خلیفہ سے کہا کہ قاتل کے قتل سے میرا بھائی تو مجھے نہیں مل سکتا ہے، اس لیے میں نے دیت یعنی مالی معاوضہ قبول کر لیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، تمہیں اس کا بات کا اختیار حاصل ہے۔ (دیکھیں، ترمذی، ابن ماجہ)

یہاں یہ بات واضح کر دوں کہ قتل عمد میں اصل قانون قصاص ہی ہے، دیت (خون بہا) کی حیثیت استثنائی ہے یعنی شاذ واقعات ہی میں ”تخفیف“ سے فائدہ اٹھانا جائز ہوگا۔ ”ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الالباب“ (بقرہ: ۱۷۹) کہہ کر مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ حکم قصاص

کی تعمیل ہی میں ان کے معاشرے کے امن و سکون کی ضمانت ہے۔

۲۔ قتل عمد میں جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر ہوا، قصاص ہے یا دیت، معافی نہیں، لیکن بہت سے علماء و فقہاء کا خیال ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء چاہیں تو قاتل کو معاف کر سکتے ہیں۔ (دیکھیں تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۳۸، ۱۳۹) لیکن یہ رائے کسی نص صریح پر مبنی نہیں ہے، محض ایک قیاسی حکم ہے۔ اس سلسلے میں فاضل مضمون نگار نے جو تنقید کی ہے وہ بالکل درست ہے۔ بھلا قتل عمد جیسے سنگین جرم کے مرتکب کو جسے آخرت میں ”خلود نار“ کی وعید سنائی گئی ہے (نساء: ۹۳) کسی سزا کے بغیر کیسے چھوڑا جاسکتا ہے۔ یہ رعایت ”ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الاباب“ کی ہدایت کا کھلا استخفاف ہے۔

۳۔ سورہ مائدہ کی آیت ۴۵ میں جس قانون قصاص کا ذکر ہوا ہے اس کا تعلق یہودی شریعت سے ہے جیسا کہ سیاق کلام سے بالکل واضح ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات میں قصاص کے علاوہ خوں بہا کا بھی قانون تھا اور موجودہ تورات میں بھی یہ حکم موجود ہے۔ فاضل مضمون نگار نے اس حکم کو نقل کیا ہے۔ (معارف، ص ۴۱۱) لیکن یہودی فقہاء (احبار) نے اپنی قیاسی شریعت ”تلمود“ (یہودی فقہ) میں تاویل کے ذریعہ مخصوص حالات میں قاتل کو معاف کرنے کی گنجائش نکال لی ہے۔ سورہ مائدہ کی مذکورہ آیت میں ان کی اسی قیاسی شریعت کی نفی کر کے اصل موسوی شریعت کو پیش کیا گیا ہے، یعنی قتل عمد میں قصاص ہے یا خوں بہا، معافی نہیں۔

۴۔ سورہ نساء کی آیت ۹۳ میں قتل عمد کے مجرم کو روز آخرت ”خلود نار“ کی وعید سنائی گئی ہے۔ فاضل مضمون نگار نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے ”یہاں ان قاتلوں کا بیان ہے جو قتل کر کے روپوش ہو جاتے ہیں یا اپنے جرم کو کسی بے گناہ پر ڈال دیتے ہیں۔ یوں تمام زندگی اصل قاتلین کا سراغ نہیں مل پاتا۔ بالآخر وہ (قصاص کے بغیر) خود اپنی موت آپ مر جاتے ہیں“۔ (معارف، ص ۴۲۰) لیکن آیت میں اس تخصیص کے لیے کوئی قرینہ نہیں ہے، یہ ایک بالکل قیاسی بات ہے جو کسی محکم دلیل اور حوالے کے بغیر لکھ دی گئی ہے۔ آیت کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ جو بھی قتل عمد کا مرتکب ہوگا وہ نہ صرف دنیا میں سزا کا مستحق ہے بلکہ آخرت میں بھی بدترین سزا پائے گا، البتہ دیت ادا کر دینے کی صورت میں اگر قاتل نے توبہ و اصلاح کر لی اور آئندہ وہ اس فعل بد کا مرتکب

نہیں ہوا تو اللہ کی رحمت سے بعید نہیں کہ جہنم کی دائمی سزا سے بچ جائے۔ (واللہ اعلم)

خاکسار

الطاف احمد اعظمی

علامہ اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط

ریاض

۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

برادر م جناب عمیر الصدیق ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے بخیر و عافیت ہوں گے، معارف کا فروری کا شمارہ پیش نظر ہے۔ اس شمارے میں علامہ اقبال کے جو غیر مطبوعہ خطوط شائع ہوئے ہیں ان کے سلسلہ میں دو باتوں کی جانب توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

ایک یہ کہ خطوط کے شروع میں معارف کی جانب سے جو نوٹ لکھا گیا ہے اس کے الفاظ ہیں ”علامہ اقبال کے یہ غیر مطبوعہ خطوط جناب وقار عظیم ندوی کا عطیہ ہیں.....“ عطیہ کے لفظ سے کیا یہ غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی کہ یہ خطوط وقار عظیم ندوی صاحب نے دارالمصنفین کو دے دیے ہیں؟ دوسرے فہرست مضامین اور مضمون کی ابتداء دونوں مقامات پر مضمون نگار یعنی وقار عظیم ندوی صاحب کا نام درج نہیں ہے۔ اس سے مذکورہ بالا غلط فہمی کو تقویت ملتی ہے اور مزید یہ شبہ ہوتا ہے کہ اردو خطوط کی نقل اور انگریزی خطوط کا ترجمہ یا خلاصہ ادارہ معارف کا تیار کردہ ہے۔ خطوط کی دوسری قسط ابھی باقی ہے، امید ہے اس میں مضمون نگار کا نام درج کرنے کا اہتمام فرمائیں گے۔

والسلام

محمد اجمل اصلاحی

آثار علمیہ و تاریخیہ

محمد ذکی کے نام سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال

اور دوسرے مشاہیر کے غیر مطبوعہ خطوط

وقار عظیم ندوی

۱۔ مکتوب علامہ سید سلیمان ندوی، ایک عدد، پوسٹ کارڈ
دارالمصنفین اعظم گڑھ

محترم و علیکم السلام

اصطلاحات جدیدہ کی نسبت تحقیق آپ مولوی عبد الماجد صاحب دریاباد، بارہ بنکی
سے کیا کیجیے۔ میری واقفیت انگریزی کی محدود ہے۔ آپ نے جو الفاظ بھیجے ہیں ان کے بالمقابل
اصطلاحات حسب ذیل ہیں:

Attention

توجہ

Imagination

تخیل

Primitive

ابتدائی

Perception

ادراک

Conception

تعقل

Memory

حافظہ

سید سلیمان ۱۴ جولائی سنہ ۱۹۲۷ء

۲۔ مکتوب لسان العصر اکبر حسین الہ آبادی، ایک عدد، پوسٹ کارڈ

الہ آباد

۲۱-۵-۱۹۲۱ء

ڈیرسر

میں علیل ہوں، نہایت ناتواں ہو گیا ہوں، زیادہ لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ کتاب تربیت دماغ

بہت ضروری و مفید ہے۔ آپ نے عمدہ کام میں اپنا وقت صرف کیا اور داد کے مستحق ہیں۔
آپ کی عبارت بہت ہی سلیجھی ہوئی اور مضبوط و مربوط ہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ کی
یہ کتاب ممتاز و نمایاں ہے۔

امید ہے کہ دکن میں اور نیز آپ کے وطن میں اس کی بہت قدر کی جائے۔

ممنون یاد آوری

اکبر حسین

۳۔ مکتوب مولانا عبدالماجد دریابادی، ایک عدد، پوسٹ کارڈ

۱۱۳ اگست ۱۹۵۷ء

دریاباد، ضلع بارہ بنکی

کرم گستر وعلیم

جوابی کارڈ کا جواب میں نے ضرور دیا ہوگا۔ بات عرصہ کی ہوگئی، اب ذہن میں نہیں۔
تازہ عنایت نامہ داد و تحسین ہی سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ اس حسن ظن کو واقعہ بھی کسی درجہ
میں بنادے۔

میرے لیے جو کچھ کہنا ہے اس کو بس اللہ ہی سے کہا کیجیے۔ والسلام

دعا گو و دعا خواہ

عبدالماجد

۴۔ مکتوب سر نواب خان بہادر بیرسٹر قاضی عزیز الدین احمد، بہار، ایک عدد، ملفوف

او بی ای۔ ای اس او۔ سی ای ای

دیوان ریاست دتیا

منسٹر تعلیم، دہولپور

۲۵ مئی سنہ ۱۹۲۱ء

عزیزی

محبت اور مسرت میں میں نے آپ کا مترجمہ رسالہ دیکھا اور میں خوبی ترجمہ، سلاست
زبان اور دلچسپی معانی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ میرے خیال میں آپ کی محنت قابل قدر ہے۔

چونکہ اس فن میں کتابیں بہت کم ہیں۔ اس واسطے امید ہے کہ آپ کا رسالہ بہت مفید ثابت ہوگا۔ ترجمہ بہت با محاورہ اور لطیف ہے۔

میں اب جلد سہیہ (۱) جانے والا ہوں اس واسطے اپریل سات تک یہاں نہ رہوں گا۔

عزیز الدین احمد

اوبی ای۔ ای اس او۔ خان بہادر

منسٹر تعلیم، دہلی پور

۵۔ مکتوب مولانا سید نجیب اشرف ندوی، ایک عدد، ملفوف، ۴ صفحات

شبلی منزل، اعظم گڑھ

۲۴-۸-۱۹۲۲ء

مکرمی سلام مسنون

اصطلاحات ارسال خدمت ہیں۔ اورنگ زیب نے کسی کو ”استاذ قدیم“ (۲) کے نام سے یاد کیا ہے یا نہیں، ٹھیک طور سے نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ اس نے علامہ سعد اللہ جو بعد (میں) شاہجہاں کا مشہور وزیر ہوا، سید محمد ہاشم گیلانی جو بعد میں احمد آباد کا صدر الصدور ہوا اور برنیر (Barnier) کی مطابق ایک شخص ملا صالح بدخشانی سے تعلیم پائی تھی۔ بہر حال اگر کسی وقت یہ الفاظ نظر سے گزرے تو اطلاع دی جائے گی۔

آپ کا خادم

نجیب اشرف ندوی

(۱) سہیہ ضلع بلیا میں پلتھر اروڈ کے پاس ایک مقام ہے جہاں رئیس پھر ساٹار، بلیا عبدالرب صاحب کی چھاؤنی تھی۔ مکتوب الیہ عبدالرب صاحب کے خویش تھے۔ چونکہ عبدالرب صاحب کی دو صاحبزادیاں پیر سٹر عبدالحق صاحب، پٹہ کے صاحبزادے اور پیر سٹر رضی الدین گونڈا سے منسوب تھیں، لہذا اس تعلق سے پیر سٹر عزیز الدین احمد صاحب کی آمد سہیہ ہوا کرتی تھی۔ (۲) ظن غالب یہ ہے کہ استاذ قدیم کے بارے میں مکتوب الیہ کا سوال ملا جیون سے متعلق ہوگا۔

نوٹ: یہ فہرست اصلاً محمد ذکی صاحب کے خط میں ہے، البتہ جگہ جگہ مولانا نجیب اشرف صاحب کی تصحیح ہے۔ مکمل تصویر پیش کرنے کی خاطر اصل اور ترمیم دونوں نقل کی جاتی ہے۔

Intellectual powers	عقلی قوتیں
Intuitive powers	(عقلی یا فکری قوتیں)
	تصحیح: قوائے وجدانی (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Intuition	فطرت شناسی
	اضافہ: ہدایت، وجدان (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Agreeableness	رضا جوئی، دوسروں کو راضی کرنے کی صفت
Reflective powers	(فلسفیانہ) استعداد فکری
Causality	(جزئیات سے کلیات معلوم کرنے کی قوت)
	اضافہ: قوت استقرائی (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Comparison	(مقابلہ یا موازنہ)
Mirthfulness	(ظرافت)
Perceptive faculties	قوائے مدرکہ
Individuality (observation)	(کسی چیز کا اصل سبب معلوم کرنے کی قابلیت)
	ملاحظہ:؟ (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Form	(دیکھی چیز کا تصور)
	اضافہ: تصور شکلی (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Size	مقدار (اجسام کا نظری امتیاز)
Weight	وزن (امتیاز، نقل و حرکت اجسام)
Colour	رنگ (الوان سے دلچسپی اور ان کا امتیاز)
Order	ترتیب
Calculation	ریاضیت
	تصحیح: حسابیت ذہنی (مولانا نجیب اشرف صاحب)

Locality	جغرافیہ (جگہوں کی یادداشت) تصحیح: موقعیت (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Eventuality	حافظہ
The selfish propensity or selfprotecting faculties	اضافہ: قوائے استغناء، قوائے حفاظت خود اختیاری (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Vitativity	ذوق حیات اور طویل عمر کی تمنا تصحیح: آرزوئے حیات (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Combativity	مقاومت
Destructiveness	غضب؟ اضافہ: تخریب (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Alimentiveness	اشتہا
Acquisitiveness	حرص (ہر چیز کے جمع کرنے کی خواہش)
Cautiousness	ہوشیاری تصحیح: احتیاط (مولانا نجیب اشرف صاحب)
The social affections	اضافہ: معاشرتی جذبات (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Conjugality	الفت زوجی تصحیح: ازدواجی (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Philoprogenitiveness	حب اولاد
Adhesiveness	دوستی اضافہ: رفاقت (مولانا نجیب اشرف صاحب)
Inhabitiveness	سکونت پذیری
Phrenology	علم کاسہ سر
Time	وقت (واقعات کی یاد مع تاریخ وغیرہ) اضافہ: سنین (مولانا نجیب اشرف صاحب)

Tune

الحان (موسیقی سے دلچسپی اور صحیح مذاق)

Language

(قوت زبان) لسانیت (لسانیت قلمزدکی گئی ہے)

The sentiments

Egoistic faculties

انانیت

Concentrativeness

مرکزیت

Approbateness

تکبر (نخوت)

Self-esteem

خودداری (?)

تصحیح: خودشناسی (مولانا نجیب اشرف صاحب)

Moral:

Firmness

استقلال

Conscientiousness

ایمان داری

Marvellousness

اضافہ: عظمت (مولانا نجیب اشرف صاحب)

Veneration

احترام، ادب

Benevolence

نیکی (ہمدردی)، فیاضی

قلمزد: فیاضی (مولانا نجیب اشرف صاحب)

Hope

امید

Aesthetic sentiments

Constructiveness

تعمیری قوت

تصحیح: قوت تعمیر (مولانا نجیب اشرف صاحب)

Ideality

(قوت ایجاد)

تصحیح: قوت تشکیل (مولانا نجیب اشرف صاحب)

Sublimity

حوصلہ

تصحیح: وقار (مولانا نجیب اشرف صاحب)

Imitation

(قوت اخذ) تقلید

دارالمفقیں اعظم گرام

محرم د عظیم اکام

اطلاعات جدید کی نسبت مفق آپ دروس میں اہم ہے
دریاد - باہمی سے کیا کہے - بری واقعت اگر ہر کسی
ممدد ہے آپ جو الفاظ پڑھیں، اذنیہ با مقابلہ اصطلاحات
مبذین ہیں۔

- | | | |
|---|-------------|-----------|
| 1 | Attention | - توجہ |
| 2 | Imagination | - تخیل |
| 3 | Primitive | - ابتدائی |
| 4 | Perception | - ادراک |
| 5 | Conception | - نقل |
| 6 | Memory | - نظر |

سید سید ۱۴ جولائی ۱۹۰۲ء

اور یاد دہیں کہ
 میں عقیل ہوں نہایت قانون ہو گیا ہوں زنا وہ بیکہ پرہیزگار
 کتاب تربیت دماغ بہت ضروری دیکھیں آپ نے کدو میں
 انا وقت خرچ کیا اور داد کھاتھی میں۔

آپ کی بات بہت ہی سچی ہوئی اور مضبوط درجہ ہے
 اسی لئے عجیب آپ کی کتاب محتاج زمانہ ہے
 اس لیے کہ کون سے روز مرہ آپ کے وطن میں
 اس کتاب قدر کیجیے۔
 محسن یاد آوری
 اگر حسین

[illegible]

— 1899 June 12 — 1899 June 12 —

Şibice Menzil.

Alamgarh, 24. 8. 1924.

صبري صديق

[illegible]

207-1
74.12.12

(Intellectual Powers) عقلی قوتیں

Intuitive power — عقلی قوتِ شهودی

Intuition — شهود (فطرتِ کمالی)

Agreeableness — رضا پروری (دوسروں کے حقوق کی رعایت)

Reflective power — عقلی قوتِ تدبیر

Causality — قوتِ استدلال (عقباتِ علم کی پہچان)

Comparison — (مقارنہ یا موازنہ)

Mirthfulness — (نکاحیت)

Perceptive faculties — قوتیںِ شعریہ

Individuality (observation) — {کسی چیز کا خاصہ یا خصوصیت}

Form — {شکل یا صورت (مادی یا فطری)}

Size — {انداز (احجام یا اقسام)}

Weight — {وزن (اشیاء یا اجسام)}

colour — {رنگ (الوان یا اقسام)}

Order — ترتیب

Calculation — حسابیت

Locality — {جگہ (مکان یا مقام)}

Eventuality — حاقظ

(The Selfish propensities or Self-protecting Faculties):

Vitaticness (حیاتی میل)

Combative ness (مقابلہ)

Destructiveness (تخریب)

Alimentiveness (اشتبہ)

Acquisitiveness (حاصل کرنے کا میل)

Secretiveness (پنهانی)

Cautiousness (احتیاط)

The Social Affections:

Amativeness (عشق)

Conjugalit (زوجیت)

Philoprogenitiveness (پدر و مادر کا میل)

Adhesiveness (دوستی)

Inhabitiveness (مقام پر رہنے کا میل)

Phrenology (عقلیات)

Time — سنہ (وقت)

June — جون (مئی تا جون)

Language — زبان (تکلم)

(The Sentiments):

Egoistic faculties — انایت

Concentrativeness — توجہ

Approbative ness — تحسین

Self-Esteem — خود داری

Moral Firmness — امانت

Conscientiousness — وجد

Marvellousness — تعجب

Veneration — احترام

Benevolence — احسان

Hope — امید

Aesthetic Sentiments —

Constructiveness — تعمید

Ideality — (فرا) فطرت

Sublimity — (فرا) عظمت

Imitation — تقلید

ادبیات

حمد باری تعالیٰ

قمر الدین قمر اعظمی

ویراں منظر، دھوپ کی بارش پتہ صحرا کس کا ہے
 بھیگا موسم، برف کی چادر، جاری دریا کس کا ہے
 کالا بادل، اُجلا پانی، خاک پہ سبزہ کس کا ہے
 گائے کے تھن میں خون، غلاظت، دودھ کا دھارا کس کا ہے
 موٹی شاخ پہ وہ جنگل میں شہد کا چھتہ کس کا ہے
 مکھی کا ہے جوٹھا لیکن شیریں ذائقہ کس کا ہے
 ممکن ہے یہ دنیا ہوتی لیکن یہ ترتیب نہ ہوتی
 خاک سے لے کرتا بہ ثریا سجا سجا کس کا ہے
 ہر تتلی کا رنگ جدا ہے گلکاری بھی الگ الگ
 اور گلابی پھول کے اوپر کالا بھونرا کس کا ہے
 پیدا ہوئے تو ماں کی لوری سر پر رکھا باپ کا ہاتھ
 آگے بڑھے تو خویش واقارب رشتہ ناتا کس کا ہے
 وہ خالق ہے وہ باری ہے اس کے بعد مصوٰر بھی
 سب چہرے ہیں ایک ہی جیسے جدا جدا سا کس کا ہے
 ٹوٹے پھوٹے، لو لے لنگڑے شعر تو کہہ لیتے ہو قمر
 چلتے چلتے یہ بھی بتا دو تم پر سایہ کس کا ہے

 سہریا، نظام آباد، اعظم گڑھ۔

قصیدہ درنعت

پروفیسر محمد ولی الحق انصاری

شوم کوشان علیہ فتنہ و شر آرزو دارم	کنم نذر شہادت تحفہ سر آرزو دارم
بہ جنگ زندگانی پستی سر آرزو دارم	ندارم خواہش دبیم ، مغفر آرزو دارم
پرستار زرم نی ، نی جواہر آرزو دارم	زیم مستانہ چوں مرد قلندر ، آرزو دارم
بہ سینہ خواہم آن دل کان علرز دسفاکان	نہ گردد خم جلوی جور ، آن سر آرزو دارم
علیہ کینہ جویان درد کا من سرخرو باشم	شوم روئین تنی ، آن طور پیکر آرزو دارم
دل خواہد کہ مثل بھیم ^۱ باشم قہرمان من ہم	نہ میرم بر زمین ، از تیر بستر آرزو دارم
خیال خام پیائی گردون می پزم در دل	کنم تسخیر مہر و ماہ و اختر آرزو دارم
نہم مرہم بہ زخم پیکر ہر خستہ مظلومی	بشکنم دست ہر مرد ستنگر آرزو دارم
حقیقت آشنا چون رابعہ ^۲ باشد رفیق من	دلیری لکشی ^۳ مانند دلبر ، آرزو دارم
بہ میدان نبرد زیست چون مصروف پیکارم	بہ عدل و راستی بر جسم بکتر آرزو دارم
سلام و آشتی خواہم ، ز جنگ و فتنہ بیزارم	سلامت بہر ہر دیندار و کافر آرزو دارم
حسد ، نفرت ، سیہ کاری ، جہالت ، ظلم ، عیاری	نہ باشد کس بہ این اطوار خوگر ، آرزو دارم
محبت ، آشتی ، یاری ، شرافت ، علم ، غمخواری	بہ انسان این ہمہ را ای برادر آرزو دارم
شوم پیوستہ خیر اندیش خواہم ، شیشہ قلم	نہ باشد از غبار شر مکدر ، آرزو دارم
تمنا ہست کردم واقف اسرار پنهانی	پریم براوج عرفان ، زور شہپر آرزو دارم

(۱) قہرمان حماسہ مہابھارت۔ (۲) رابعہ بصری، زاہدہ معروف۔ (۳) رانی لکشی بائی، مجاہدہ جنگ آزادی ہند۔

رموز بودن و نابود بودن را بہ فہم آرم	کشایم ہر طلسم راز را در ، آرزو دارم
علاقہ مند از اصل عرض ہرگز نباشم من	شوم من آشنای کنہ جوہر ، آرزو دارم
بہ دشت معنویت می دوم حیران و سرگشتہ	حصول مقصد بہتر ز بہتر آرزو دارم
شوم در بزم مدہوشان حیرت بہر آگاہی	کشایم پردہ اسرار اکبر آرزو دارم
و زد باد شمیم آمیز از گلزار دین حق	شود پیراہن ہستی معطر ، آرزو دارم
الہی ، دولت عرفان کنہ خود عنایت کن	نہ وصل حور می خواہم ، نہ کوثر آرزو دارم
صدیقی چون ابو بکرؓ و برادر چون علی خواہم	بزرگی غلامی پیہبر آرزو دارم
بطور چاکر دیرینہ بی مایہ ایشان	شوم در خلد با شبیر و شہر ، آرزو دارم
ز فیض لطف بی پایان تو ای مرسل اعظم	روم باروی خندان پیش داور ، آرزو دارم
منم مجذوم و تو عیسیٰ ، منم بندہ و تو آقا	نگاہ لطف تو ای بندہ پرور آرزو دارم
منم سرگشتہ صحرائ گمراہی و بدبختی	شوی بر جادہ عرفان رہبر ، آرزو دارم
کسی دیگر نہ باشد غیر تو مشکل کشای من	شفیع من سوی تو پیش داور ، آرزو دارم
برای اخذ نور بنیش و افزونی ایمان	روم بر روضہ تو بار دیگر ، آرزو دارم
پسر باشد چو حمزہؓ ، ہست بہر اودعائی من	خدیحہؓ وش شود با ہوش دختر ، آرزو دارم

وجودم را ولی ای کاش نار عشق سوزاند

زیم در آتش غم چون سمندر ، آرزو دارم

کلیات شبلی (فارسی)

مرتبہ مولانا سید سلیمان ندویؒ

قیمت: ۳۵ روپے

صفحات ۱۱۸

مطبوعات جدیدہ

منتخب اللغات: سید عبدالرشید بن عبدالغفور الحسینی المدنی التتوی، مترجم مولانا محمد عاصم اعظمی، بڑی تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۷۵۶، قیمت: ۲۸۰ روپے، پتہ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9 انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی اور ویسٹ بلاک-8 آر کے پورم نئی دہلی۔

مغل فرماں روا شاہ جہاں کا عہد، ہندوستان کی تاریخ کا ہی عہد زریں نہیں علوم و معارف کا بھی ایسا دور تھا کہ گویا اس وقت کا ذرہ ذرہ نیرتاباں تھا، شاہ جہاں کے ساتھ حقیقتاً علم و دانش کی بھی حکم رانی تھی، لال قلعہ، جامع مسجد اور تاج محل اگر سطوت، تقدس اور حسن و جمال کے بے نظیر نمونے تھے تو دوسری طرف علوم و فنون کے شہ پارے بھی اسی سطوت و عظمت کے ساتھ، عہد شاہ جہانی کی صاحبزادی کی داستانیں سنانے کے لیے وجود کی نعمت پارہے تھے کیسے کیسے اعلا دماغ، قدرت کی فیاضیوں سے شاہ جہانی فضا میں ڈھل رہے تھے، زیر نظر کتاب لغت نے اس منظر کو پھر زندہ و تازہ کر دیا، سید عبدالرشید ٹھٹھوی کے آباء و اجداد، مدینہ منورہ کی رشک آسماں مٹی سے اٹھے اور دیار سندھ میں ایک مدت کے بعد ان کی نسل میں عبدالرشید ٹھٹھوی، اسی خاک مدینہ کے سرمہ چشم علم و فضل بن کر سامنے آئے، ان کی قدردانی کے لیے بجا طور پر آگرہ کی سرزمین ہمد تن انتظار میں تھی، یہاں کی سکونت اختیار کر کے انہوں نے فن لغت میں جو کمال حاصل کیا، ان کے ہر تذکرہ نگار نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا، فرہنگ رشیدی اور منتخب اللغات دونوں کی افادیت کا زمانہ نے اعتراف کیا، عربی الفاظ کی فارسی ترجمانی میں اپنے فاضل جلیل مولف کے صدق کمال پر یہ شاہد عدل کہلائیں، عربی الفاظ کو جمع کر کے اور صحت کے ساتھ حروف تہجی کی ترتیب دے کر ان کے معانی کو کمال خوبی سے فارسی میں انہوں نے جس طرح پیش کیا، وہ ہمارے فاضل اردو مترجم کے خیال میں وقت کی اہم ضرورت کے پیش نظر غالباً ہندوستان میں

پہلی کاوش تھی، فارسی داں طبقہ کو عربی سے قریب کرنے میں اس لغت کی افادیت کا دل سے اعتراف کیا گیا، خود عربی دانوں کو عربی لغات سے استفادہ کرنے میں القاموس، الصحاح اور الصراح سے جس عربی صرفیت کی لازمی واقفیت کا پابند ہونا تھا، ان کے لیے بھی الف بائی ترتیب کی یہ لغت، نعمت سے کم نہیں تھی، یہ ساری باتیں پیش نظر لغت کے پیش لفظ اور اردو مترجم کے نہایت فاضلانہ مقدمہ میں شرح و بسط کے ساتھ آگئی ہیں، جس میں عربی زبان کی فضیلت، عربی لغت نگاری، اہم کتب لغات، ہندوستان میں عربی لغت نگاری، سید عبدالرشید کی لغت نگاری اور خود منتخب اللغات کی تاریخ، اس کی خصوصیات اور مزید برآں فرہنگ رشیدی، معربات رشیدی اور معبرات رشیدی پر بہترین تحقیقی بحث ہے جو فاضل مترجم کی دقیق و عیق نظر کا معتبر ترین ثبوت بھی ہے، مختصر تعارف میں اس مقدمہ کی خوبیاں تفصیل سے بیان نہیں کی جاسکتیں، ٹھٹھوی کے ترجمے کی اعظمی ترجمانی خود دیکھنے کے لائق ہے، لطف تو تب آتا جب اصل فارسی ترجمہ بھی ساتھ ہوتا، لیکن غالباً ضخامت کے اندیشہ سے یہ مناسب نہیں سمجھا گیا، الفاظ و معانی کی اس شاہ کلید میں طلسم خانہ حیرت کا ایک گوشہ ٹھٹھوی کا دیباچہ بھی ہے، جو مغل دور کی سطوت کا جیسے آئینہ ہے، حمد کا یہ پیرایہ کس شان کا ہے کہ ”کوئے نادانی کے ہرزہ سراؤں اور بادیہ حیرانی کے بے سرو سامان افراد کے لیے خاموشی کے سوا گنجائش نہیں، گفتگو کیا کرتے! کیا ہی محال خیال ہے، ہاں حادث کے لیے ذات قدیم کے ساتھ کیا سروکار، ممکن کا واجب کے ساتھ کیا شمار؟ مخلوق کو خالق سے کیا نسبت؟ مملوک کو مالک کے ساتھ کیا مناسبت؟ امکان کے عیب سے آلودہ افراد کے لیے ذات مقدس مطلق کی کیا آگاہی؟ زاویہ عدم کے قیدی کے لیے وجود بخت کی کیسی ہمراہی؟“ شاہ جہاں بادشاہ کی تعریف میں دو صفحات نثری قصیدہ نگاری کی عجب مثال ہیں، انداز یہ ہے کہ ”ایسا دین پرور بادشاہ ہے کہ شریعت غرا اور دین بیضا کی حمایت کے لیے دفع منہا ہی اور رفع ملاہی کے واسطے اس کی آتش رخسار غیرت روشن ہو جاتی ہے، لالہ نے شراب ارغوانی اور ساغر دوست کامی سے سیاہ داغ کے سوا کچھ نہیں دیکھا مگر اس نے اپنے عام احسان اور خاص اکرام سے ہر خاص و عام کو بندگی کے دائرہ میں داخل کر لیا ہے، سر و سوسن نے آزادی کی وجہ سے پھل نہیں چنا، نرگس نے اس الزام کی وجہ سے کہ وہ شوخ چشم اور بے حیا ہے اس کی سزا کے خوف سے پکلوں کو جھکا لیا اور درخت بید

نے اس کے دشمنوں پر حملہ آور ہونے کے ارادے سے پتوں کی تلوار کھینچی۔ فارسی عبارت کا لطف اپنی جگہ لیکن اس ترجمہ نے فاضل مترجم کے قلم کی دلکشی کو جس طرح دل فریب بنادیا، اس کی داد نہ دینا یقیناً ذوق لطیف پر ظلم کے مترادف ہے۔ ایک دور افتادہ چھوٹی سی بستی گھوسی میں نام و نمود سے بے نیاز مترجم درحقیقت مقام ناز پر فائز ہیں، خوش نصیب قومی کا وٹسل اور اس کے ڈائریکٹر حمید اللہ بھٹ ہیں جن کی نگاہوں کو مولانا عاصم کی تلاش میں کامیابی ملی، جناب بدر القادری نے قطعہ تاریخ میں صحیح شعر تلاش کیا کہ

اپنی ذات میں بے شک ہیں آپ اک انجمن

بیت حکمت سے رواں ان کے، کتابوں کی برات

عربی زبان کے ہر طالب و قدردان کے لیے لغت تو ناگزیر ہی ہے، عربی و فارسی محققین اور تاریخ کے جو یا حضرات کے لیے یہ لطف و افادیت میں کم نہیں اور ایسی بیش قیمت نعمت کے لیے ہدیہ کی رقم گویا مفت ہے۔

گجرات کی علمی و ادبی شخصیات: مرتب مولانا مفتی احمد دیلوی، قدرے

کلاں تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۱۰۸۰، قیمت: درج نہیں، پتہ: علامہ

محمد بن طاہر پٹنی اکیڈمی، جامعہ علوم القرآن، جبوسر، بھروچ، گجرات۔

گجرات دار الخیرات کے تاریخی خطہ بھروچ میں قریب دو سال ہوئے، رابطہ ادب اسلامی کا سالانہ سمینار ہوا، تاریخ اسلام خصوصاً ہند میں اسلام کے اولین نقوش کی تلاش کی تاریخ کا جن کو علم ہے ان کو یقین ہے کہ گجرات وہ خوش بخت خطہ ہے جس کی خاک صحبت یافتگان نبویؐ سے مس ہو کر آنے والی نسلوں کی آنکھوں کا کل الجواہر ہو چکی ہے، مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسے محقق نے یوں ہی نہیں لکھا تھا کہ ”بحر عرب کے اس پار کی شعاعیں سب سے پہلے گجرات پر پڑیں اور یہاں سے وہ آگرہ کی مسجدوں اور مدرسوں کے میناروں پر جا کر عکس انداز ہوئیں“، گجرات کی تاریخ اولو العزم سلاطین کی شاندار مہمات و فتوحات کے ساتھ علماء و محدثین کی نواسنجی سے معمور ہے، اس کی خاک سے ہر فن کے ایسے ارباب فضل و کمال پیدا ہوئے جن کے سرچشمہ فیض سے سارا ہندوستان سیراب ہوا، گجرات کی علمی و تمدنی تاریخ کے صفحات، اندلس کی فردوسِ گم گشتہ کی

رنگینیوں اور تابانیوں سے کم نہیں، احمد آباد، چمپانیر، سورت اور کھمبایت میں آج بھی عظمت رفتہ کے درو دیوار، ماضی کی سطوت کے شہاد اور مستقبل کی آرزوں کے طالب ہیں، رابطہ ادب اسلامی نے سطوت و عظمت کے ان نقوش کی تلاش کے لیے بجا طور پر جمبوسر کا انتخاب کیا اور مولانا مفتی احمد دیولوی اور ان کے رفقاء نے واقعی بڑا قابل قدر تعاون اس طرح کیا کہ ملک کے گوشہ گوشہ سے گجرات میں علم و فضل کی بارات سچ گئی، سو کے قریب مقالات پیش کیے گئے، خطبات اور کلمات ان پر مستزاد، یہ سمینار جتنا موقع اور شاندار رہا، اب زیر نظر مجموعہ مقالات بھی اسی شان کا مرتب ہو کر شائع ہوا ہے، نویں صدی ہجری سے چودھویں صدی ہجری تک کے علماء کو بالترتیب الگ الگ صدیوں میں یکجا کیا گیا، سوانح کے علاوہ تالیفات، تصنیفات، مخطوطات و مطبوعات کا حتی الامکان احاطہ کیا گیا، اس طرح یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع اور اسی درجہ مفید بن گئی، مرتب کا نام اگرچہ نگراں کی حیثیت سے ہے اور یہ مفتی احمد صاحب کا انکسار ہی ہے، ورنہ حقیقتاً یہ کارنامہ ان ہی کی سخت محنت و شوق کا نتیجہ ہے، اسلامی ہند اور خصوصاً گجرات کی علمی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ بڑا خوبصورت اور قیمتی تحفہ ہے۔

افکار عالم، فکر اسلامی کی روشنی: از مولانا اسیر ادروی، متوسط تقطیع، عمدہ

کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۴۱۴، قیمت: درج نہیں، پتہ: شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم

دیوبند، یو پی۔

ایک زمانہ تھا جب بنارس کے رسالہ ترجمان الاسلام کا انتظار شائقین کو اس لیے بھی رہتا تھا کہ اس میں اس کے مدیر جناب اسیر ادروی کا تازہ مضمون کس عنوان سے ہے، وہ عرصے تک مضامین نو کے انبار لگاتے رہے اور یہ مضامین اپنے تنوع کے لحاظ سے خرمن کے خوشہ چینوں کا دامن ہر رنگ اور ہر خوشبو سے سجاتے مہکاتے رہے، اس کتاب میں جس کو دوسرا حصہ کہا گیا ہے، ان مضامین کا ایک انتخاب پیش کیا گیا ہے، اس میں کتابوں کا تعارف، شخصیات اور اسلامیات کا مطالعہ ہے جیسے عرفان محبت کا مطالعہ، حضرت نانوتویؒ کا قصیدہ بہاریہ، مولانا آزاد اور ہندوستان کی آزادی، تاریخ عرب ایک عیسائی مستشرق کے قلم سے، سلطان ٹیپو کی تلوار اور مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا وحید الزماں کیرانوی، احسان دانش، مولانا آزاد، بلگرام اور غلام علی آزاد وغیرہ، مولانا

کی تحریر کی ایک خوبی یہ بتائی گئی کہ وہ جس موضوع پر لکھتے ہیں اس کا حق ادا کر دیتے ہیں، لیکن ایک خوبی اور بھی سب سے نمایاں اور سب میں مشترک ہے اور وہ ہے ان کی ادبی گل کاری، طبقہ علماء میں خصوصاً ماضی قریب میں ایسا خوبصورت اور رنگین قلم کم ہی نظر آتا ہے، مولانا محمد احمد پرتاپ گڈھی کے مجموعہ اشعار عرفان محبت کے ذکر میں یہ عبارت ملاحظہ ہو کہ ”ایسے لوگ کہیں کہیں پائے جاتے اور کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں جو عشق حقیقی اور محبت کے چراغ کو اپنے خون جگر سے روشن کرتے ہیں لیکن جب اس چراغ کی روشنی فضا میں پھیلتی ہے تو روشنی کے دیوانے اس پر دیوانہ وار ٹوٹ پڑتے ہیں“، مولانا منظور نعمانی کے متعلق یہ جملہ ان کی پوری شخصیت کے اظہار کے لیے کافی ہے کہ ”سست گامی انہوں نے کبھی نہیں سیکھی تیز گامی بلکہ برق رفتاری ان کی فطرت میں تھی۔ مضامین سب پڑھنے کی چیز ہیں لیکن مولانا آزاد والا مضمون گویا بیت الغزل ہے۔

ایمانی تقریریں: مرتبہ مولانا شفیق احمد قاسمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد

مع گرد پوش، صفحات ۵۱۲، قیمت: ۲۰۰ روپے، پتہ: پیغام بک ڈپو، اردو بازار، جلال پور

ضلع امبیدکر نگر یو پی اور دہلی، لکھنؤ، سہارن پور اور مئو کے معروف مکتبے۔

حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ کے سوز نفس اور دل کی تڑپ نے جماعت تبلیغ کی ایسی عظیم الشان تحریک پیش کی کہ بقول مرتب آج اس فکر پر کام کرنے والے تقریباً پوری دنیا میں موجود ہیں، تبلیغی اجتماعات نے گویا اسلام کی دعوت اور کاررشد و ہدایت میں ایک مثال پیش کر دی جس میں کلمہ حق کے اعلاء و ترویج کے لیے دل کے دروازے اور زبان کی تمام بندشیں کھلی نظر آتی ہیں، اجتماعات کی ان تقریروں کا عجب اثر ہوتا ہے، اس کتاب میں ایسی متعدد تقریروں کو یکجا کیا گیا ہے جن میں عوام، علماء، طلبہ اور خواتین سے خطاب کیا گیا ہے، تقریر کا اثر کچھ اور ہوتا ہے لیکن یہ تحریریں اس لحاظ سے کامیاب ہیں کہ تقریر کی لذت سے خالی نہیں ہیں۔

رسید مطبوعہ کتب

۱- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلد ۱۳: مفتی عزیز الرحمن عثمانی، مکتبہ دارالعلوم، دیوبند۔ قیمت درج نہیں۔

۲- // // // // // ۱۴: // // //

۳- ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج اور ابنائے ندوہ کی فقہی خدمات: منور سلطان ندوی، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، لکھنؤ۔ قیمت ۱۵۰ روپے

۴- عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا اور شہدائے اسلام (حصہ اول): انوار احمد اعظمی، مولانا انوار احمد اعظمی، خیر آبادی، جامعہ اسلامیہ، مظفر پور، اعظم گڑھ۔ قیمت ۵۲۰ روپے

۵- شاہ ولی اللہ کا رسالہ سیرت، سرور المحزون فی ترجمۃ نور العیون: پروفیسر یسین مظہر صدیقی، حضرت شاہ ولی اللہ اکیڈمی پھلت، ضلع مظفر نگر یوپی۔ قیمت ۱۰۰ روپے

۶- اسلام ہمارا مذہب اور ہم مسلمان: مولانا عبدالعلی فاروقی، مکتبہ البدور کا کوری، لکھنؤ۔ قیمت ۱۰۰ روپے

۷- ردائے سخن: عارف اعظمی، سیفی بک ایجنسی، بھنڈی بازار، ممبئی۔ قیمت ۱۲۰ روپے

۸- شعور عروض: شعور اعظمی، کتاب دار-۱۰۸-۱۱۰ ٹیمکراسٹریٹ، ممبئی۔ قیمت ۱۵۰ روپے

۹- لاتنقیص: پروفیسر افغان اللہ خان، رضوان اللہ خان، کاشانہ افغان، ابو بازار، اونچوا، گورکھپور۔ قیمت ۲۰۰ روپے

۱۰- ممبئی سے بھوپال تک (کچھ یادیں، کچھ تجربات، کچھ رد عمل): عبدالقوی دسنوی، عبدالقوی دسنوی پرنس کالونی، عید گاہ ہلز، بھوپال۔ قیمت درج نہیں۔